رنگا رنگ کہانیاں



رابعہ بُک ہاؤس

الکریم مارکیٹ' اردو بازار' لاہور۔ (پاکستان) فون: 042-37123555

ترتیب

سویا ہوا محل

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی ملک میں ایک بادشاہ اور ملکہ رہتے تھے۔ وہ دونوں بہت ہی نیک تھے۔ اپنی رعایا کا ہر طرح کا خیال رکھتے تھے۔ رعایا بھی اپنے بادشاہ اور ملکہ سے بہت خوش تھی۔

بادشاہ کو صرف ایک ہی غم تھا جسے یاد کر کے وہ اکثر اداس ہو جاتا تھا۔ وہ یہ کہ بادشاہ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک دن اس ملک میں ایک نجومی آیا اس نے بادشاہ کو خوشخبری سنائی کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ اس کو ایک خوبصورت بیٹی دے گا یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا۔

اس بات کو تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ ملکہ اور بادشاہ ایک خوبصورت بیٹی کے ماں باپ بن گئے۔ اب تو دونوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ بادشاہ نے اعلان کیا کہ شہزادی کی پیدائش کی خوشی میں ملک کے تمام



لوگوں کی دعوت عام ہو گی چنانچہ دعوت کی تیاریاں شروع کر دی گئیں اور آخر وہ دن بھی آ گیا جب ملک کا ہر شخص خوشی خوشی دعوت میں شرکت کرنے جا رہا تھا۔

اس ملک میں کچھ پریاں بھی رہتی تھیں۔ بادشاہ کے کہنے پر ان پریوں کو بھی بطور خاص مدعو کیا گیا تھا۔

بادشاہ نے لوگوں میں تحفے تقسیم کیے۔ پریوں کو بھی تحفے ملے۔ بادشاہ نے ساتوں پریوں کے لیے خوبصورت ہیروں کے جڑاؤ والے ہار بنوائے تھے۔ جب تحفے دیئے جا چکے تو اچانک ایک اور پری نمودار ہو گئی۔ بادشاہ اور ملکہ اس کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے کیونکہ انہیں بتایا گیا تھا کہ یہ پری مر چکی ہے۔ بہر حال انہوں نے اس پری کو بھی تحفہ دیا لیکن تحفہ دیکھ کر یہ پری ناراض ہو گئی کیونکہ اس کا تحفہ دوسری پریوں کے تحفے کی طرح خوبصورت نہیں تھا۔





اب لوگوں نے آ کر شہزادی کو تحائف دینا شروع کیے۔ شہزادی کے پاس تحائف کا ڈھیر لگ گیا۔ جب سب لوگ تحفے دے چکے تو پریاں آگے آئیں اور بولیں اب ہم شہزادی کو تحفے دیں گی لیکن ہمارے تحفے ان عام تحفوں سے مختلف ہوں گے۔ یہ کہہ کر ایک شہزادی آگے آئی اور کہا میری طرف سے شہزادی کے لیے تحفہ ہے کہ یہ نہایت خوبصورت اور حسین و جمیل ہوگی۔ دوسری بولی میرا تحفہ ہے کہ شہزادی کی آواز بہت ہی دلکش اور مترنم ہوگی۔ تیسری نے کہا میں شہزادی کو تحفہ دیتی ہوں کہ اس کی ہنسی اور مسکراہٹ دل موہ لینے والی ہوگی۔ اس کے بعد چوتھی پری نے کہا میری طرف سے شہزادی کے لیے خوبصورت موسیقی کا تحفہ ہے۔



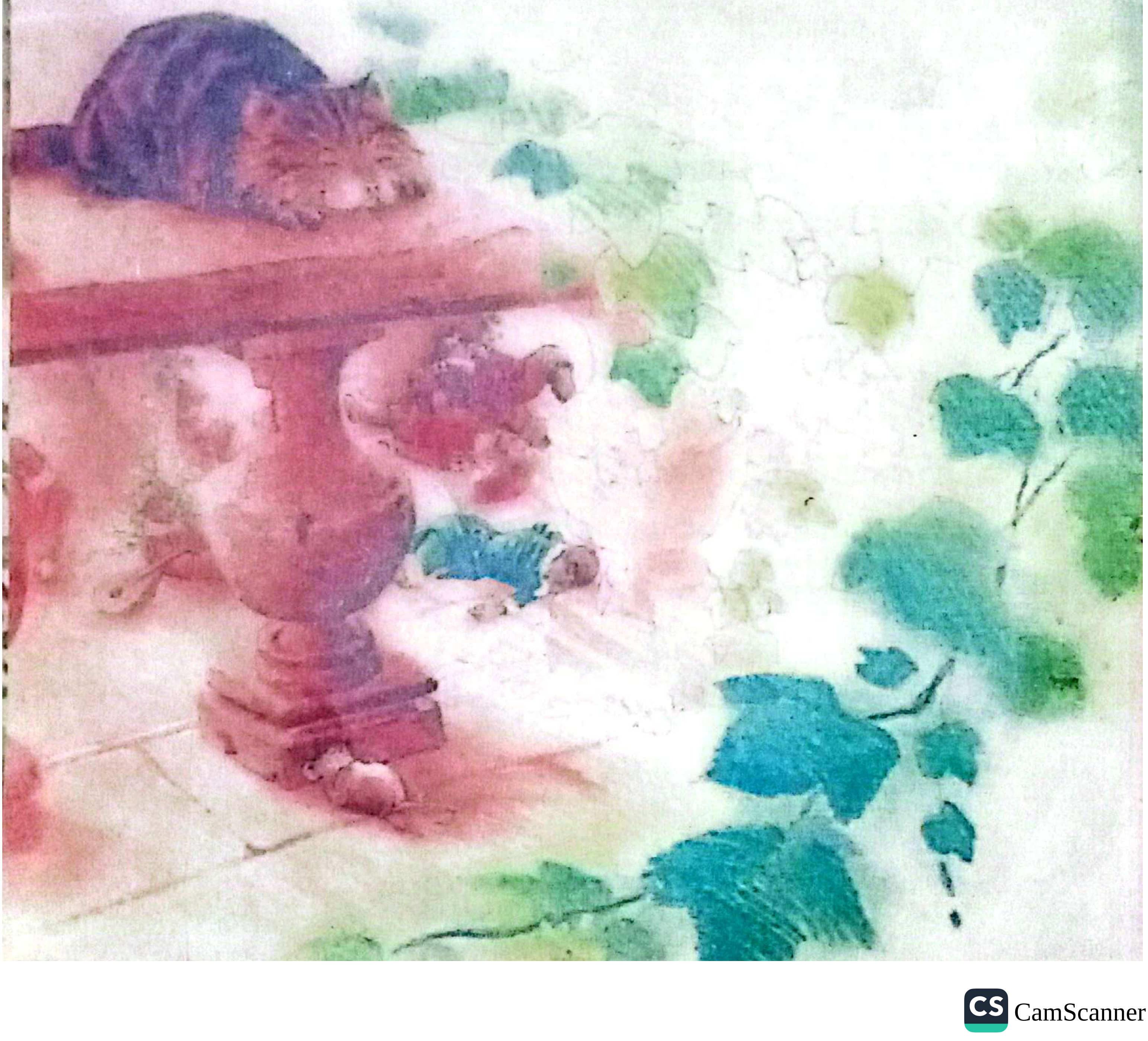
پانچویں پری بولی میں شہزادی کو اچھی سیرت کا تحفہ دیتی ہوں۔ یہ سنتے ہی چھٹی پری آگے بڑھی اور اس نے شہزادی کو اچھے اخلاق کا تحفہ دیا۔ اب ساتویں پری کی باری تھی لیکن اس سے پہلے ہی بوڑھی پری آگے آئی اور بولی میری طرف سے شہزادی کے لیے تحفہ ہے کہ وہ جب سولہ برس کی ہوگی تو اس کی انگلی میں سوئی کی نوک چبھے گی اور وہ مر جائے گی۔ یہ سن کر تمام لوگ حیران رہ گئے۔ ساتویں پری نے کہا نہیں شہزادی مرے گی نہیں بلکہ وہ گہری نیند سو جائے گی اور پھر سو سال بعد ایک خوبصورت شہزادے کے ہاتھ لگانے سے جاگ جائے گی لیکن جاگنے کے بعد اس کی عمر سولہ سال ہی ہوگی۔

بادشاہ نے اعلان کرادیا کہ محل میں تمام سوئیاں ختم کردی جائیں اور آئندہ یہاں کوئی سوئی یا نوکدار

چیز نہ لائی جائے۔

وقت گزرتا گیا اور سولہ سال پورے ہونے پر شہزادی کی سالگرہ کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ بوڑھی پری نے جادو کے زور سے ایک سوئی محل میں پھینک دی۔

شہزادی چہل قدمی کی غرض سے باغ میں جانے کے لیے نکلی تو اسے راستے میں سوئی پڑی دکھائی دی۔ سوئی دیکھ کر شہزادی نے حیرت سے سوچا یہ کیا چیز ہو سکتی ہے کیونکہ اس نے آج تک سوئی دیکھی ہی نہیں تھی۔ شہزادی نے جیسے ہی آگے بڑھ کر سوئی اٹھائی اس کی نوک شہزادی کی انگلی میں چبھ گئی اور شہزادی بے ہوش ہوگئی۔





شہزادی کی حالت دیکھ کر ملکہ اور بادشاہ فکر مند ہو گئے۔ اتنے میں ساتویں پری آئی اور اس نے کہا میں اس جادوئی نیند کو سو سال سے پہلے ختم نہیں کر سکتی البتہ آپ فکر مند نہ ہوں میں سب کو شہزادی کی طرح سلا دیتی ہوں۔ تا کہ شہزادی بیدار ہونے کے بعد اپنے آپ کو اس وقت کے لوگوں میں اجنبی نہ محسوس کرے اور آپ لوگوں کو بھی شہزادی کی دیکھ بھال کی فکر نہ رہے۔

شہزادی کو اٹھا کر اس کے خوبصورت بیڈ پر لٹا دیا گیا۔ اس کے بعد پری نے جادو کیا۔ فوراً ہی تمام جاندار گہری نیند سو گئے۔ یہاں تک کہ شہزادی کے کمرے میں موجود بلی بھی سو گئی۔ محل کے باہر چاروں طرف خاردار جھاڑیاں لگ گئیں تا کہ کوئی درندہ اندر نہ گھس سکے۔

جو بھی محل میں جانے کی کوشش کرتا خاردار جھاڑیاں اس کا راستہ روک لیتیں۔ سو سال کا عرصہ گذر گیا۔





ایک روز اس محل کے قریب جنگل میں ایک شہزادہ شکار کی غرض سے آیا۔ اس نے دور سے خاردار جھاڑیوں کے اندر ایک محل دیکھا تو لوگوں سے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ یہاں کون رہتا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کسی کو نہیں معلوم یہاں کون رہتا ہے۔ البتہ اس قریبی آبادی میں ایک بوڑھا آدمی ہے جو اس محل کے بارے میں عجیب عجیب باتیں بتاتا ہے۔ شہزادے نے اس بوڑھے آدمی سے ملاقات کی تو بوڑھے نے شہزادے کو محل میں سوئے ہوئے لوگوں کے بارے میں بتایا اور کہا میرے دادا کہا کرتے تھے کہ اس محل کے قریب جو بھی گیا پلٹ کر آج تک واپس نہیں آیا۔

یہ سن کر شہزادے نے کہا میں ابھی اور اسی وقت محل میں جاؤں گا اور اس خوبصورت شہزادی کو جگانے کی کوشش کروں گا۔ یہ کہہ کر شہزادہ محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ جیسے جیسے شہزادہ محل کے قریب ہوتا گیا۔ جھاڑیاں ایک طرف ہٹ کر اس کو راستہ دیتی گئیں۔ کچھ ہی دیر بعد شہزادہ محل کے اندر موجود تھا۔ اس نے دیکھا محل میں موجود ہر کوئی اپنی جگہ سو رہا ہے۔

شہزادہ تلاش کرتے کرتے آخر کار شہزادی کے کمرے میں پہنچ گیا اور پھر شہزادے کا ہاتھ لگتے ہی شہزادی اٹھ بیٹھی اس کے ساتھ ہی جادو ختم ہوگیا اور محل کے تمام افراد جاگ گئے وہ بلی جو شہزادی کے کمرے میں ہی سو رہی تھی وہ بھی میاؤں میاؤں کرتی اٹھ کر بھاگ گئی۔

ملکہ اور بادشاہ نے شہزادے کے ساتھ شہزادی کی شادی کر دی اور وہ سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

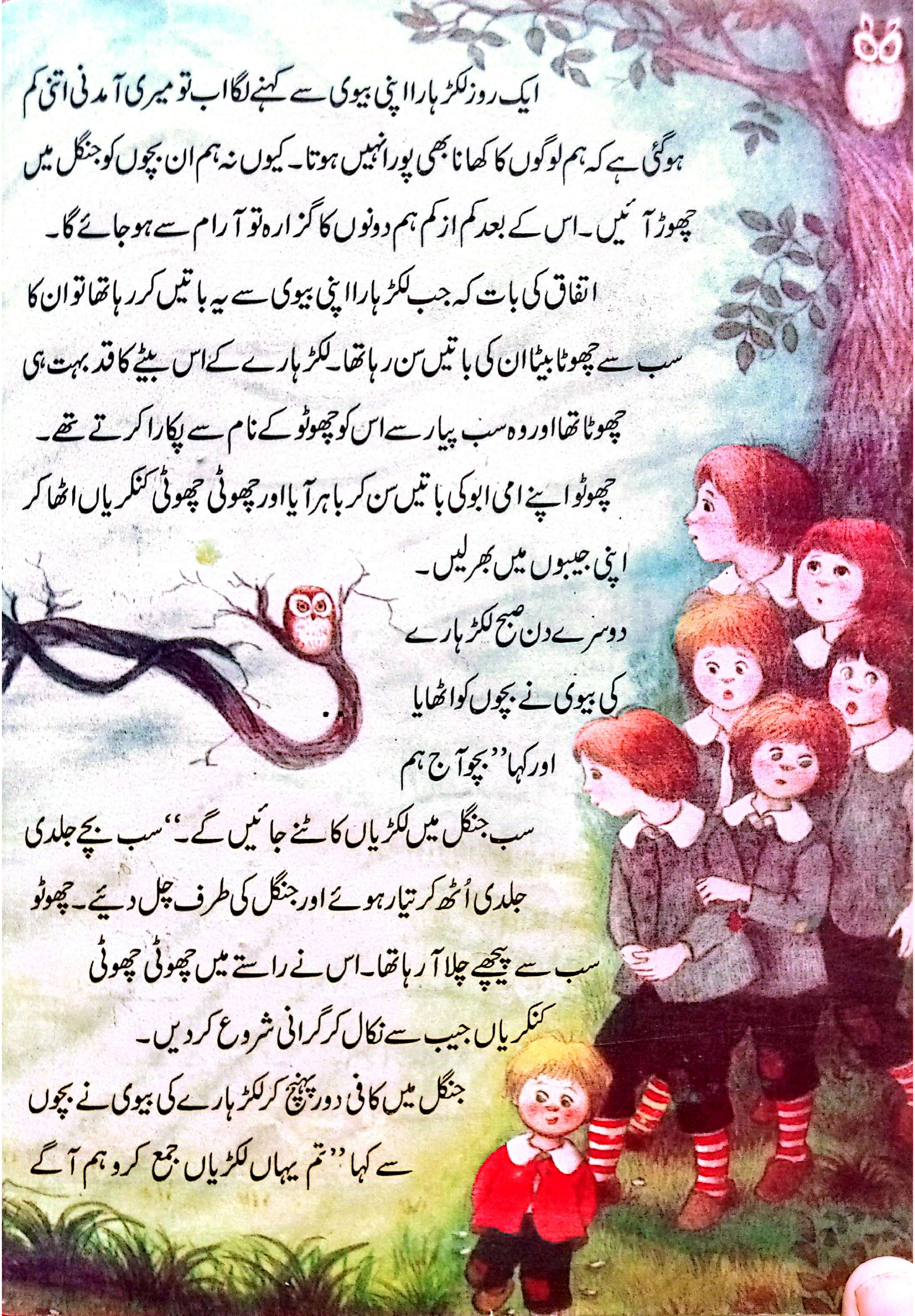




غریب لکڑہارا

کہیں دور دیس میں ایک جنگل کے قریب چھوٹے سے گاؤں میں ایک گھرانہ آباد تھا۔اس گھر میں ایک غریب آدمی اپنی بیوی اور سات بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ یہ بے چارہ سارا دن جنگل میں لکڑیاں کاٹتا اور شام کو انہیں قریبی منڈی میں جا کر بیچ دیتا۔اس طرح جو رقم اسے ملتی اس سے اپنے بیوی بچوں کے لیے کھانے کا سامان خرید کر گھر لے آتا۔دن اسی طرح گزر رہے تھے کہ اچانک غریب لکڑہارے کا کام بہت کم رہ گیا۔لوگوں نے لکڑیاں خریدنا کم کر دی تھیں۔





ایک روز لکڑ ہارا اپنی بیوی سے کہنے لگا اب تو میری آمدنی اتنی کم ہوگئی ہے کہ ہم لوگوں کا کھانا بھی پورا نہیں ہوتا۔ کیوں نہ ہم ان بچوں کو جنگل میں چھوڑ آئیں۔ اس کے بعد کم از کم ہم دونوں کا گزارہ تو آرام سے ہوجائے گا۔

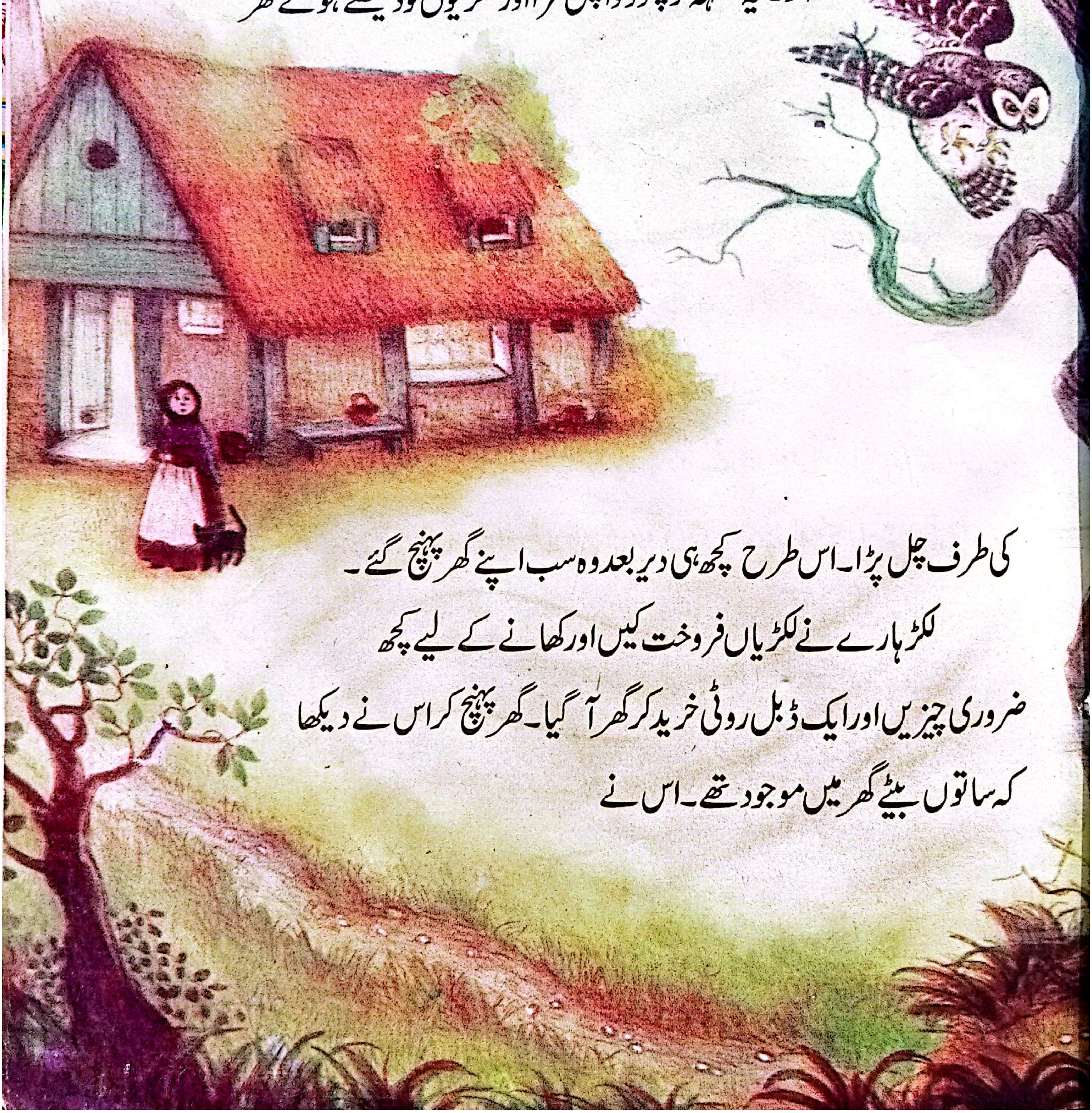
اتفاق کی بات کہ جب لکڑ ہارا اپنی بیوی سے یہ باتیں کررہا تھا تو ان کا سب سے چھوٹا بیٹا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ لکڑ ہارے کے اس بیٹے کا قد بہت ہی چھوٹا تھا اور وہ سب پیار سے اس کو چھوٹو کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

چھوٹو اپنے امی ابو کی باتیں سن کر باہر آیا اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں اٹھا کر اپنی جیبوں میں بھرلیں۔

دوسرے دن صبح لکڑ ہارے کی بیوی نے بچوں کو اٹھایا اور کہا ''بچو آج ہم سب جنگل میں لکڑیاں کاٹنے جائیں گے۔'' سب بچے جلدی جلدی اُٹھ کر تیار ہوئے اور جنگل کی طرف چل دیئے۔ چھوٹو سب سے پیچھے چلا آرہا تھا۔ اس نے راستے میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں جیب سے نکال کر گرانی شروع کردیں۔

جنگل میں کافی دور پہنچ کر لکڑ ہارے کی بیوی نے بچوں سے کہا ''تم یہاں لکڑیاں جمع کرو ہم آگے

سے لکڑیاں کاٹ کر کچھ دیر بعد واپس آ جائیں گے۔'' پھر لکڑ ہارا اور اس کی بیوی وہاں سے چلے گئے۔ انہیں گئے کافی وقت گزر گیا تو بچوں کو فکر ہونے لگی لیکن لکڑ ہارا اور اس کی بیوی شام تک بھی واپس نہ آئے تو بچوں نے سوچا اب ہم گھر واپس کیسے جائیں گے؟ چھوٹو بولا ''کوئی بات نہیں میں تم لوگوں کو واپس لے کر جاؤں گا۔ تم سب میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ یہ کہہ کر چھوٹو واپس مڑا اور کنکریوں کو دیکھتے ہوئے گھر



کی طرف چل پڑا۔ اس طرح کچھ ہی دیر بعد وہ سب اپنے گھر پہنچ گئے۔

لکڑ ہارے نے لکڑیاں فروخت کیں اور کھانے کے لیے کچھ ضروری چیزیں اور ایک ڈبل روٹی خرید کر گھر آ گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ ساتوں بیٹے گھر میں موجود تھے۔ اس نے

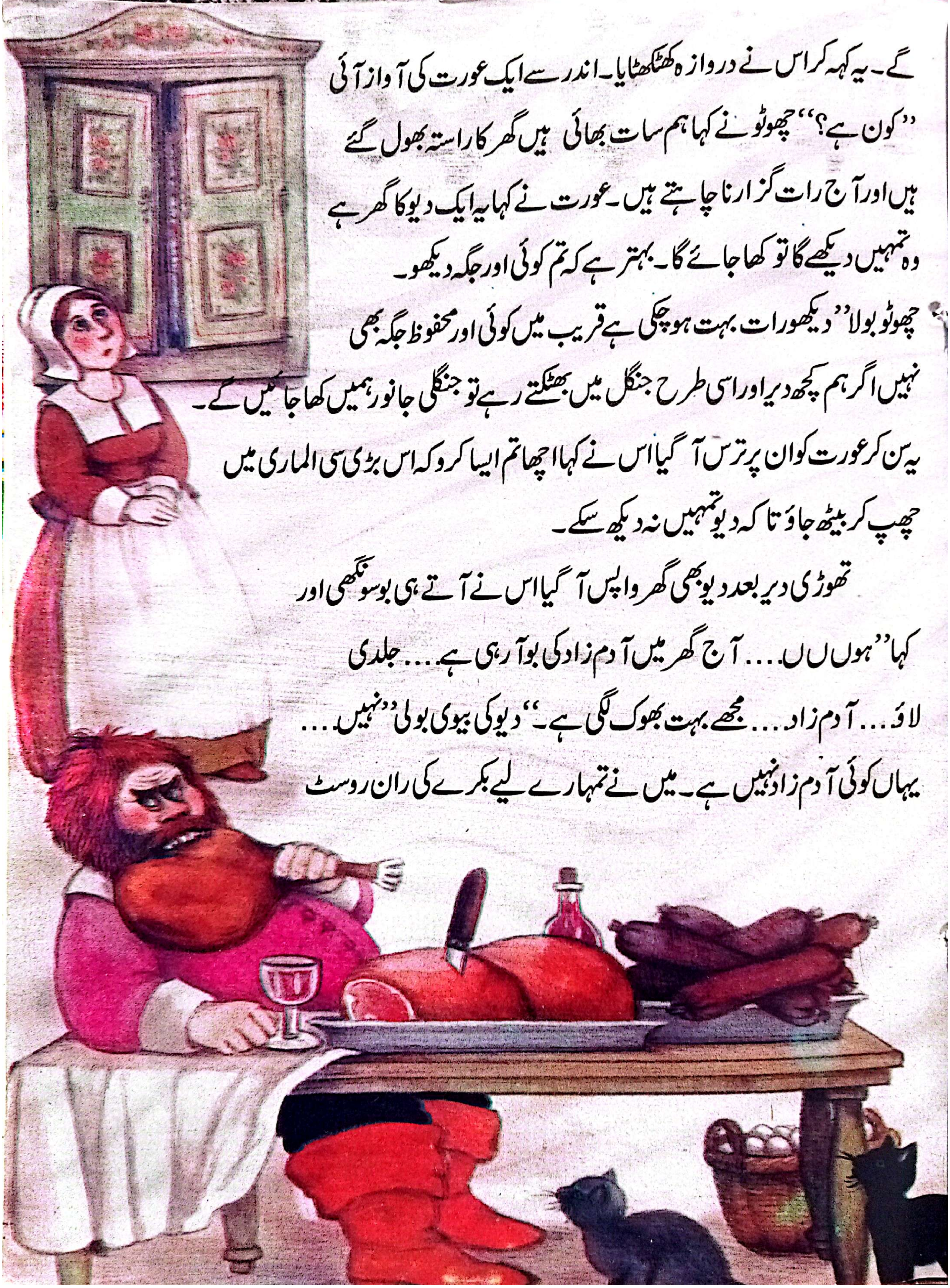
ڈبل روٹی اپنے بچوں میں تقسیم کر دی اور خود سونے کے لیے لیٹ گیا۔

دوسرے روز صبح پھر اس نے بچوں کو ساتھ لیا اور جنگل چلا گیا۔ چھوٹو نے رات کو اپنے حصے کی ڈبل روٹی کھانے کی بجائے چھپا کر رکھ دی اور صبح جنگل جاتے وقت اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے راستے میں گراتا چلا گیا۔

جنگل پہنچ کر لکڑہارا اور اس کی بیوی اپنے بچوں کو چھوڑ کر آگے چلے گئے اور شام تک واپس نہ لوٹے۔ اب پھر چھوٹو نے اپنے بھائیوں کو کہا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میرے ساتھ آؤ میں نے صبح آتے وقت راستے میں نشانی کے طور پر ڈبل روٹی کے ٹکڑے گرا دیئے تھے۔ اس طرح وہ ڈبل روٹی کے ٹکڑے دیکھتے ہوئے واپس گھر کی طرف روانہ ہوئے لیکن کچھ دور جا کر انہیں پتا لگا کہ ڈبل روٹی کے ٹکڑے تو دن میں جانور اور پرندے کھا گئے۔ اب وہ گھر کا راستہ بھول گئے۔

چلتے چلتے ایک جگہ انہیں ایک گھر نظر آیا۔ چھوٹو نے بھائیوں کو کہا ہم رات اس گھر میں گزاریں گے اور کل دن کی روشنی میں اپنے گھر کا راستہ تلاش کریں





گے۔ یہ کہہ کر اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ایک عورت کی آواز آئی ''کون ہے؟'' چھوٹو نے کہا ہم سات بھائی ہیں گھر کا راستہ بھول گئے ہیں اور آج رات گزارنا چاہتے ہیں۔ عورت نے کہا یہ ایک دیو کا گھر ہے وہ تمہیں دیکھے گا تو کھا جائے گا۔ بہتر ہے کہ تم کوئی اور جگہ دیکھو۔

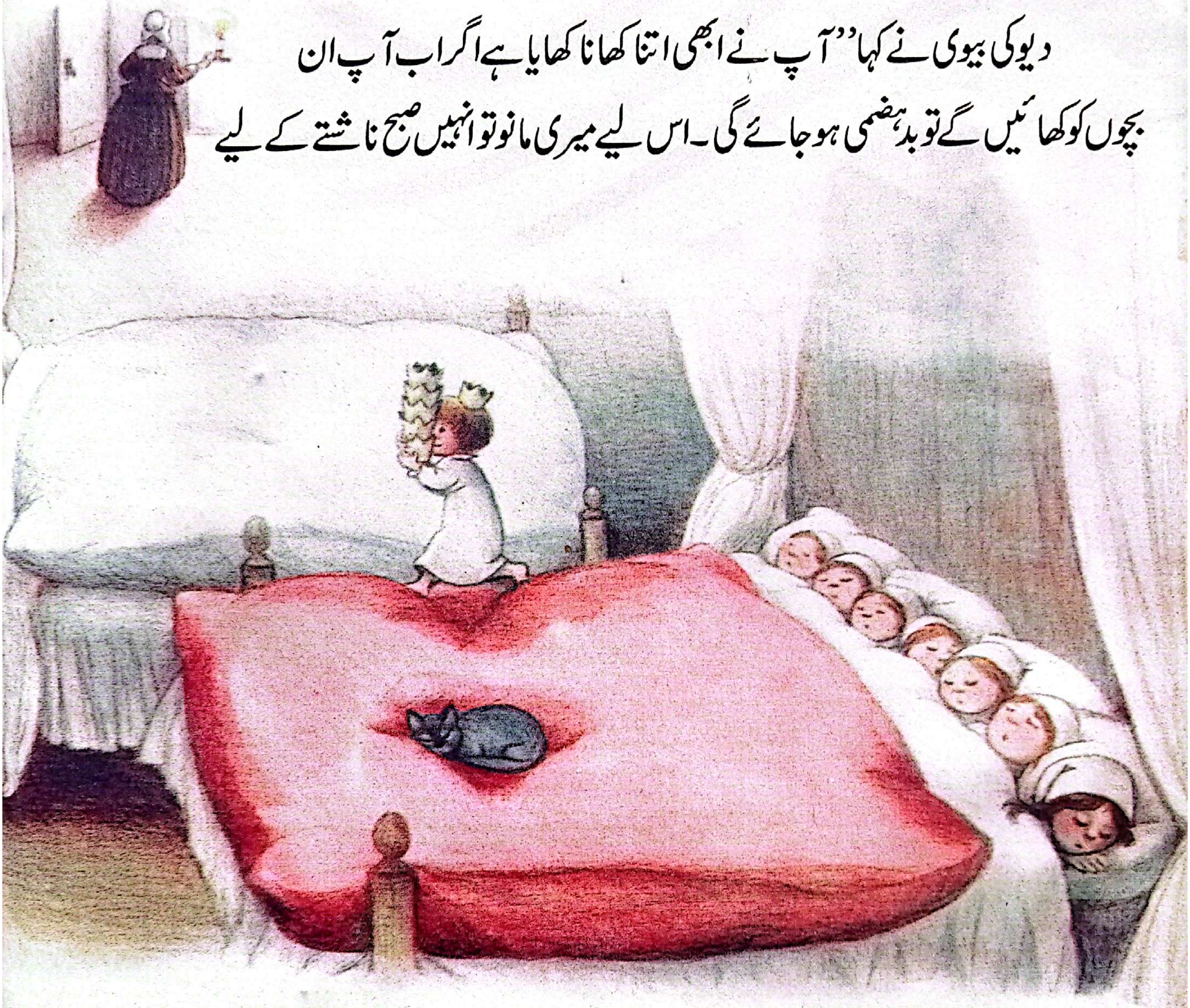
چھوٹو بولا'' دیکھو رات بہت ہو چکی ہے قریب میں کوئی اور محفوظ جگہ بھی نہیں اگر ہم کچھ دیر اور اسی طرح جنگل میں بھٹکتے رہے تو جنگلی جانور ہمیں کھا جائیں گے۔

یہ سن کر عورت کو ان پر ترس آ گیا اس نے کہا اچھا تم ایسا کرو کہ اس بڑی سی الماری میں چھپ کر بیٹھ جاؤ تا کہ دیو تمہیں نہ دیکھ سکے۔

تھوڑی دیر بعد دیو بھی گھر واپس آ گیا اس نے آتے ہی بو سونگھی اور کہا''ہوں ں ں... آج گھر میں آدم زاد کی بو آ رہی ہے... جلدی لاؤ... آدم زاد... مجھے بہت بھوک لگی ہے۔'' دیو کی بیوی بولی ''نہیں... یہاں کوئی آدم زاد نہیں ہے۔ میں نے تمہارے لیے بکرے کی ران روسٹ

کر کے رکھی ہے تمہیں اس کی بو آ رہی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے دیو کو کھانا دیا۔ کھانا کھا کر دیو نے گھر کی تلاشی لینی شروع کر دی اور جلد ہی اس نے بچوں کو ڈھونڈ لیا۔

دیو کی بیوی نے کہا ''آپ نے ابھی اتنا کھانا کھایا ہے اگر اب آپ ان بچوں کو کھائیں گے تو بدہضمی ہو جائے گی۔ اس لیے میری مانو تو انہیں صبح ناشتے کے لیے



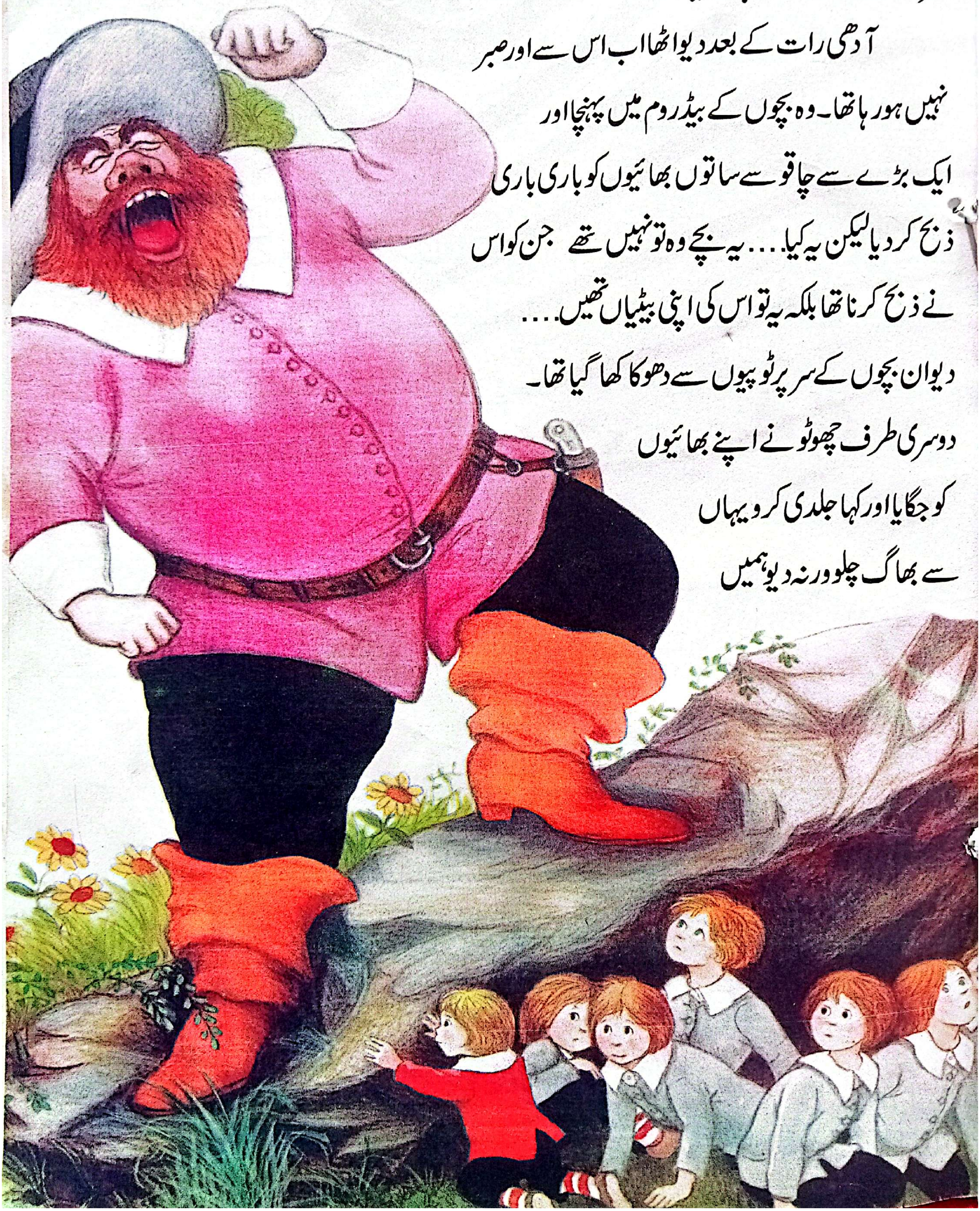
چھوڑ دو۔'' دیو نے سوچا کہ اس کی بیوی ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ واقعی اسے اب اور کچھ نہیں کھانا چاہیے۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا ایسا کر وان بچوں کو میری بیٹیوں کے بیڈروم میں سلا دو۔

ساتوں بھائی جب لڑکیوں کے بیڈروم میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں سات لڑکیاں ایک بیڈ پر سو رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے سر سے ٹوپیاں اتاریں اور ان لڑکیوں کے سر پر رکھ دیں اور ان لڑکیوں کے

سر سے رومال اتار کر اپنے سر پر رکھ کر سو گئے۔

آدھی رات کے بعد دیو اٹھا اب اس سے اور صبر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بچوں کے بیڈروم میں پہنچا اور ایک بڑے سے چاقو سے ساتوں بھائیوں کو باری باری ذبح کر دیا لیکن یہ کیا... یہ بچے وہ تو نہیں تھے جن کو اس نے ذبح کرنا تھا بلکہ یہ تو اس کی اپنی بیٹیاں تھیں.... دیو ان بچوں کے سر پر ٹوپیوں سے دھوکا کھا گیا تھا۔

دوسری طرف چھوٹو نے اپنے بھائیوں کو جگایا اور کہا جلدی کرو یہاں سے بھاگ چلو ورنہ دیو ہمیں



ابھی مار ڈالے گا۔ یہ سن کر سب جلدی سے وہاں سے نکل بھاگے۔ دیو نے ان بچوں کو بھاگتے دیکھا تو وہ ان کو پکڑنے کے لئے پیچھے آیا لیکن کچھ ہی دور آگے جا کر یہ ساتوں بھائی ایک چٹان کے پیچھے چھپ گئے۔ دیو نے کافی کوشش کی لیکن وہ انہیں نہ پکڑ سکا اور مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔

دیو کے واپس جانے کے بعد سب بھائی چٹان کے نیچے سے نکلے اور گھر کا راستہ تلاش کرنے لگے۔

آخر تھوڑی سی تگ و دو کے بعد انہیں اپنا گھر مل گیا۔

گھر پہنچ کر چھوٹو نے اپنی جیبوں سے سونے کی ڈلیاں نکال کر اپنے امی اور ابو کو دیں۔ یہ دیکھ کر وہ سب بہت حیران ہوئے۔ چھوٹو نے بتایا دراصل دیو کے گھر میں مجھے یہ سونا نظر آیا تو موقع پا کر میں نے اپنی جیبیں بھر لیں۔ اب ہم زندگی بھر عیش کریں گے اور کبھی بھوکے نہیں رہیں گے۔

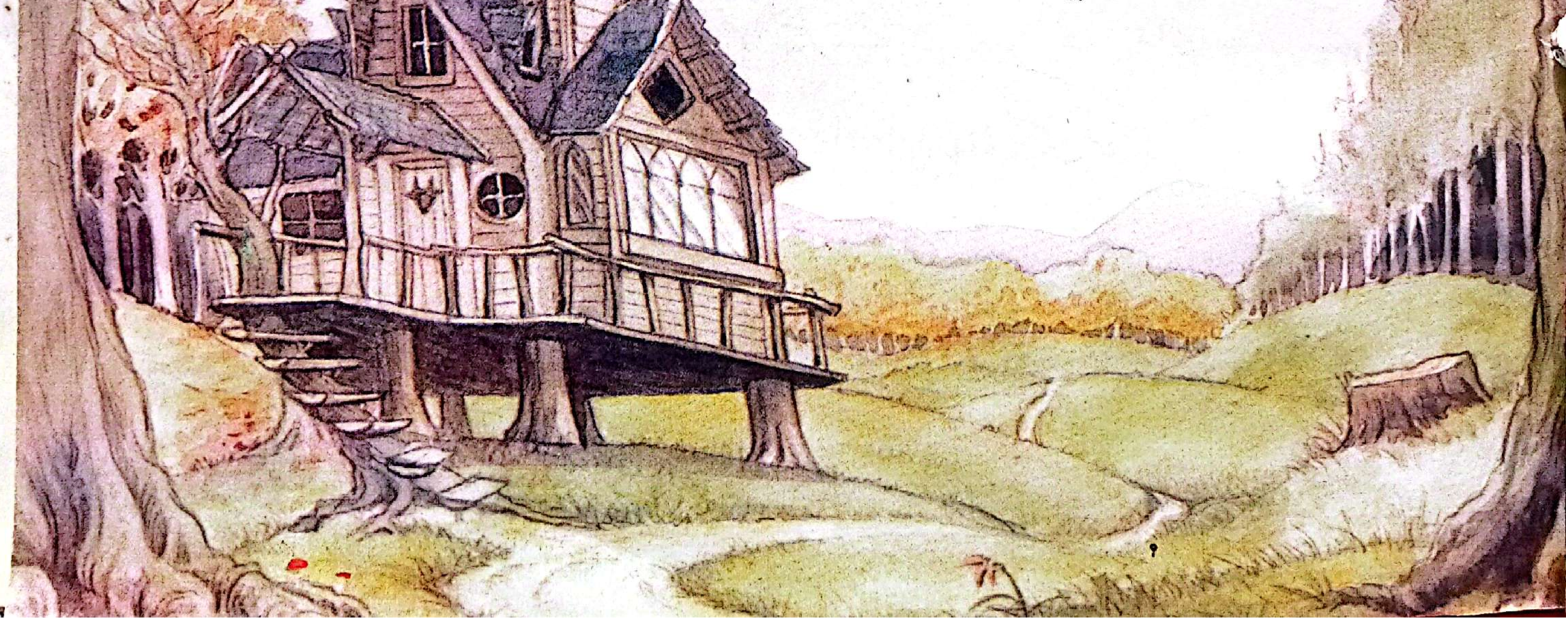




لالچی بھیڑیا

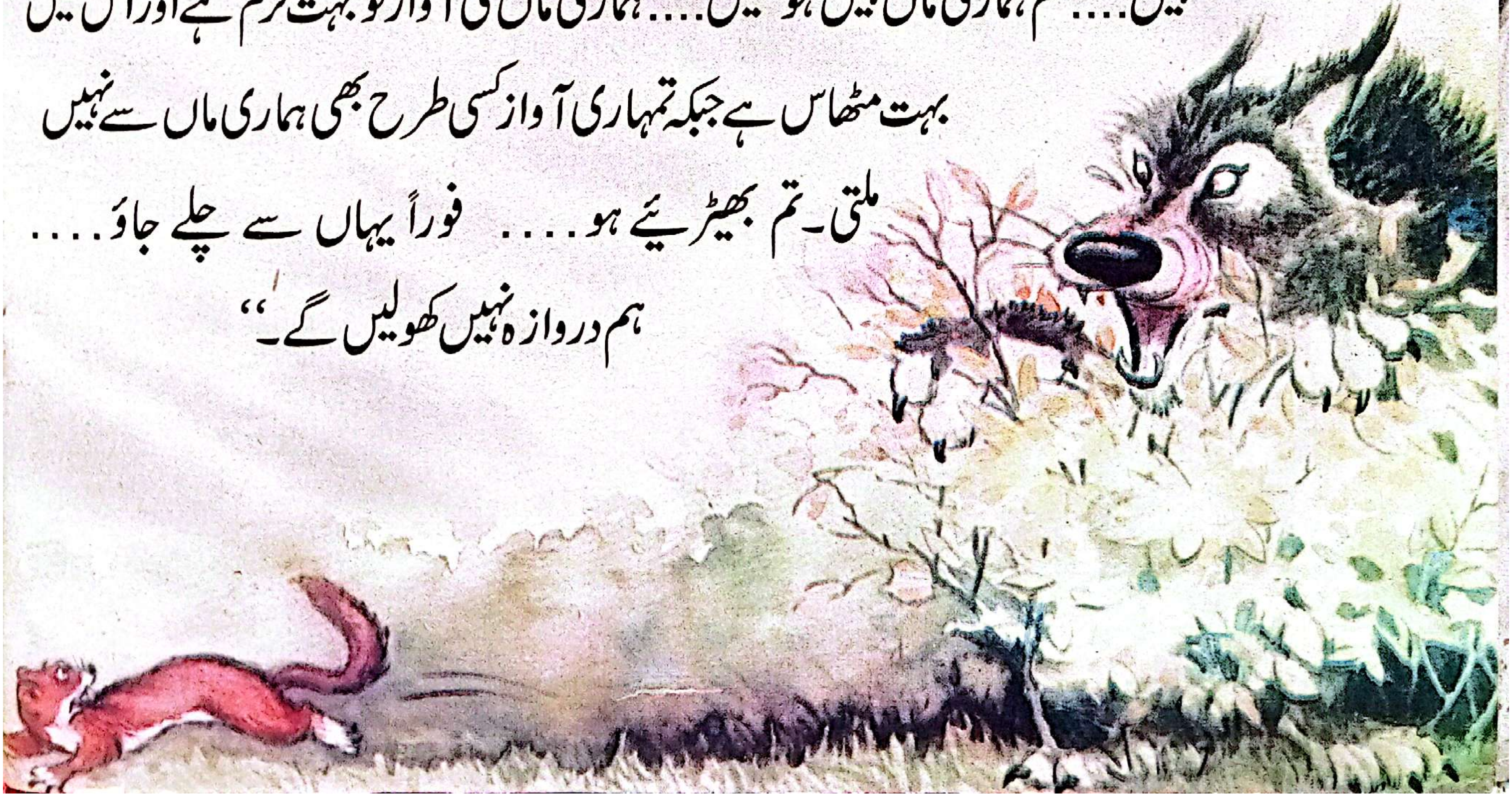
بہت عرصہ ہوا کہیں دور جنگل کے قریب ایک خوبصورت گھر میں ایک بکری اپنے سات بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔ ایک دن بکری نے اپنے بچوں سے کہا ”میں شہر سے کچھ ضروری سامان خریدنے جا رہی ہوں۔ تم سب گھر پر ہی رہنا کوئی بھی گھر سے باہر نہ نکلے کیونکہ تمہیں معلوم ہی ہے کہ جنگل میں ایک خوفناک بھیڑیا رہتا ہے اور وہ اکثر شکار کرنے کے لیے ادھر آتا رہتا ہے۔“

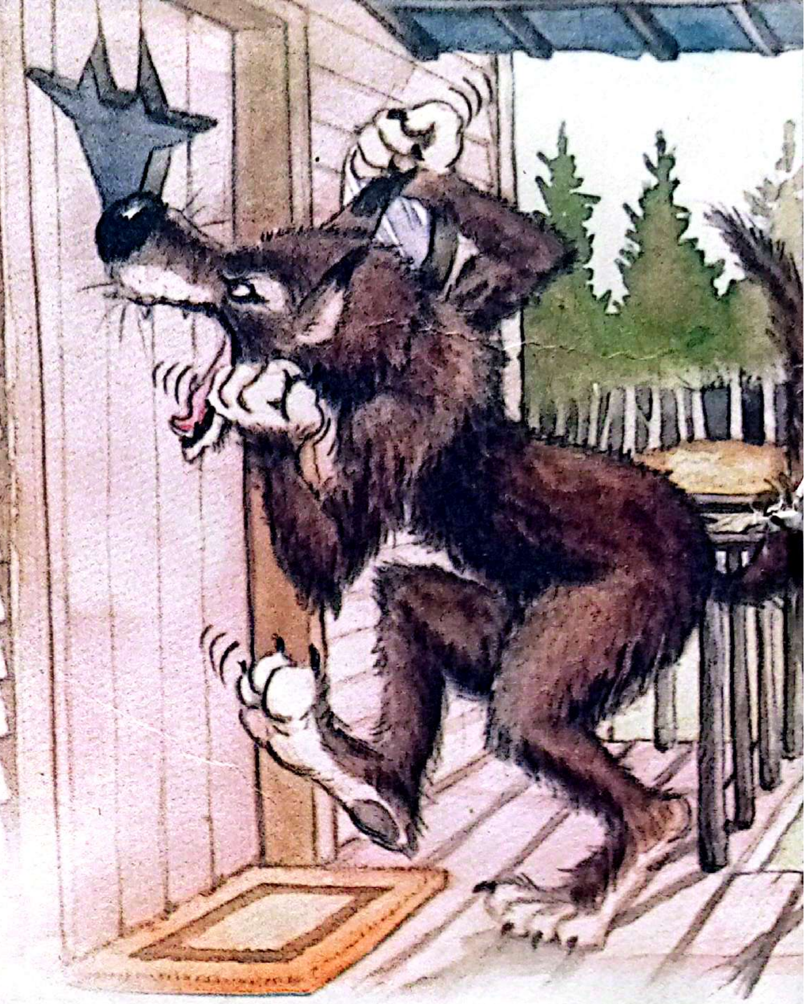
بچوں نے کہا ”امی جان آپ بے فکر ہو کر جائیے ہم سب مل کر گھر میں ہی کھیلیں گے اور باہر نہیں نکلیں گے۔“ بکری نے گھر سے نکلتے وقت ایک بار پھر بچوں کو مخاطب کیا اور بولی ”دروازہ اچھی طرح بند کر کے بیٹھنا اور جب تک میں واپس نہ آؤں کسی کے لیے بھی دروازہ نہ کھولنا۔“



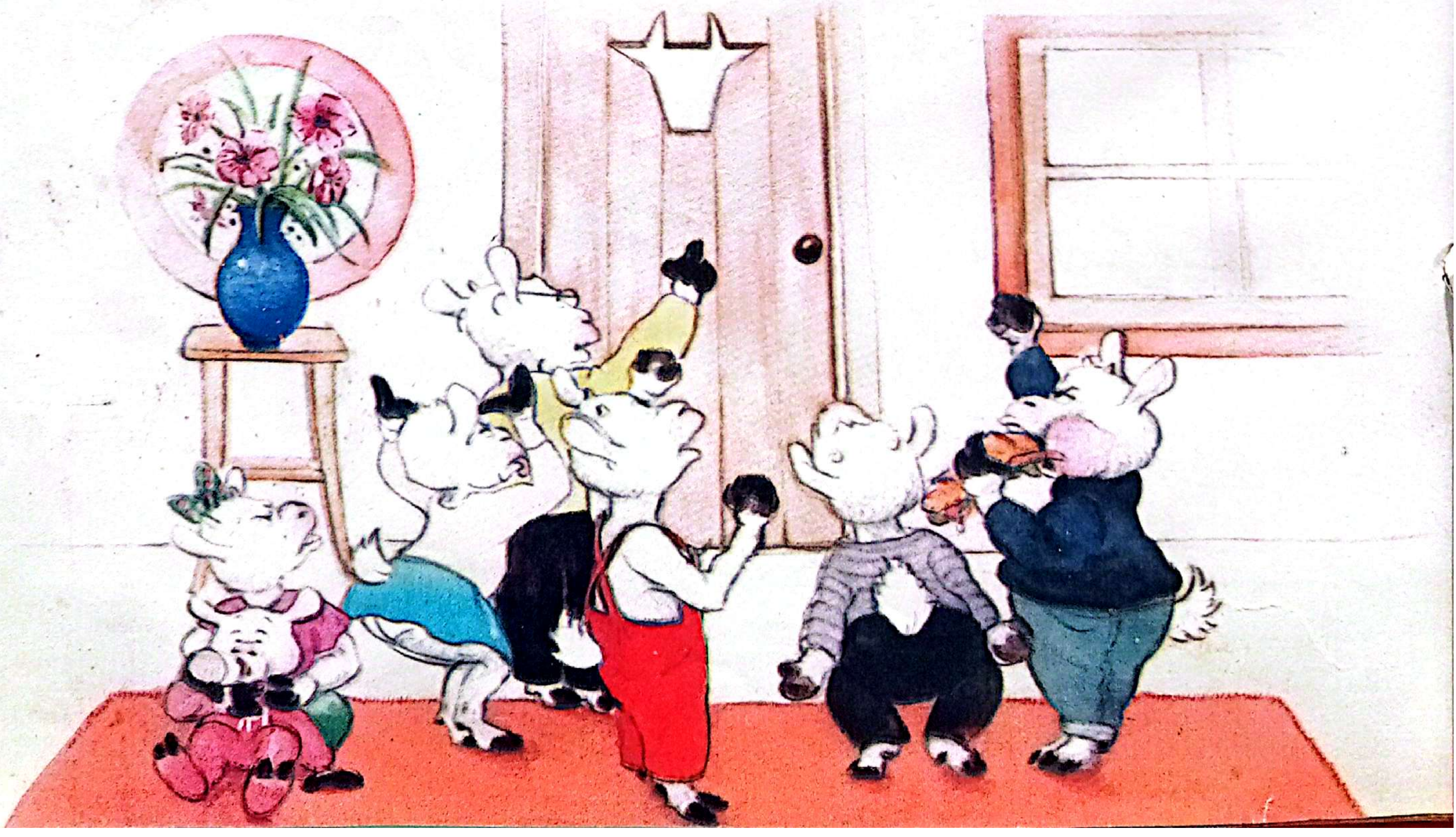


بچوں کو تاکید کر کے بکری شہر کی طرف چلی گئی۔ ادھر مکار بھیڑیا گھر کے باہر چھپ کر ان کی باتیں سن رہا تھا۔ بکری کے جانے کے تھوڑی دیر بعد اس نے دروازے پر دستک دی اندر سے بچوں نے پوچھا ''کون؟'' بھیڑیئے نے کہا ''میں تمہاری ماں ہوں.... بچو!.... دروازہ کھولو....'' بچوں نے کہا ''نہیں.... تم ہماری ماں نہیں ہوسکتیں.... ہماری ماں کی آواز تو بہت نرم ہے اور اس میں بہت مٹھاس ہے جبکہ تمہاری آواز کسی طرح بھی ہماری ماں سے نہیں ملتی۔ تم بھیڑیئے ہو.... فوراً یہاں سے چلے جاؤ.... ہم دروازہ نہیں کھولیں گے۔''



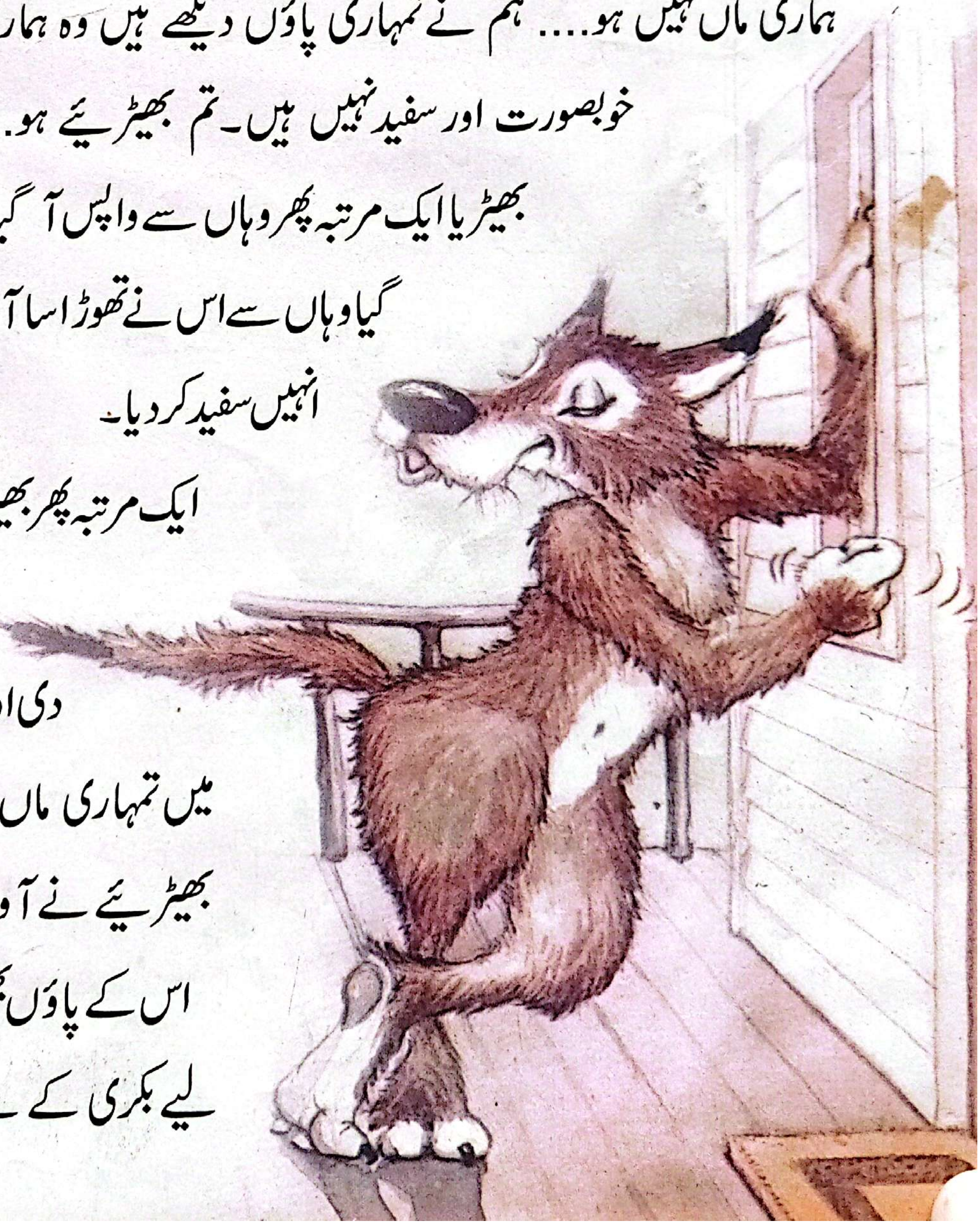


بھیڑیئے نے کچھ سوچا اور وہاں سے نکل کر ایک دوکان میں چلا گیا۔ اس دوکان سے اس نے شہد کی بوتل اٹھائی اور منہ کو لگا کر ایک ہی سانس میں سارا شہد پی لیا اور واپس بکری کے گھر آ کر دروازہ پر دستک دی۔ بکری کے بچوں نے پھر پوچھا ''کون؟'' بھیڑیئے نے اپنی آواز بدل کر کہا ''میں تمہاری ماں





ہوں.... دروازہ کھولو میرے بچو۔'' بکری کے بچوں کو دروازے کے نیچے سے بھیڑیئے کے پاؤں نظر آ گئے اور وہ بھیڑیئے کی چالاکی کو سمجھ گئے اور کہا ''ہم دروازہ ہرگز نہیں کھولیں گے.... ہمیں معلوم ہے تم ہماری ماں نہیں ہو.... ہم نے تمہارے پاؤں دیکھے ہیں وہ ہماری ماں کے پاؤں کی طرح خوبصورت اور سفید نہیں ہیں۔ تم بھیڑیئے ہو.... یہاں سے چلے جاؤ۔''

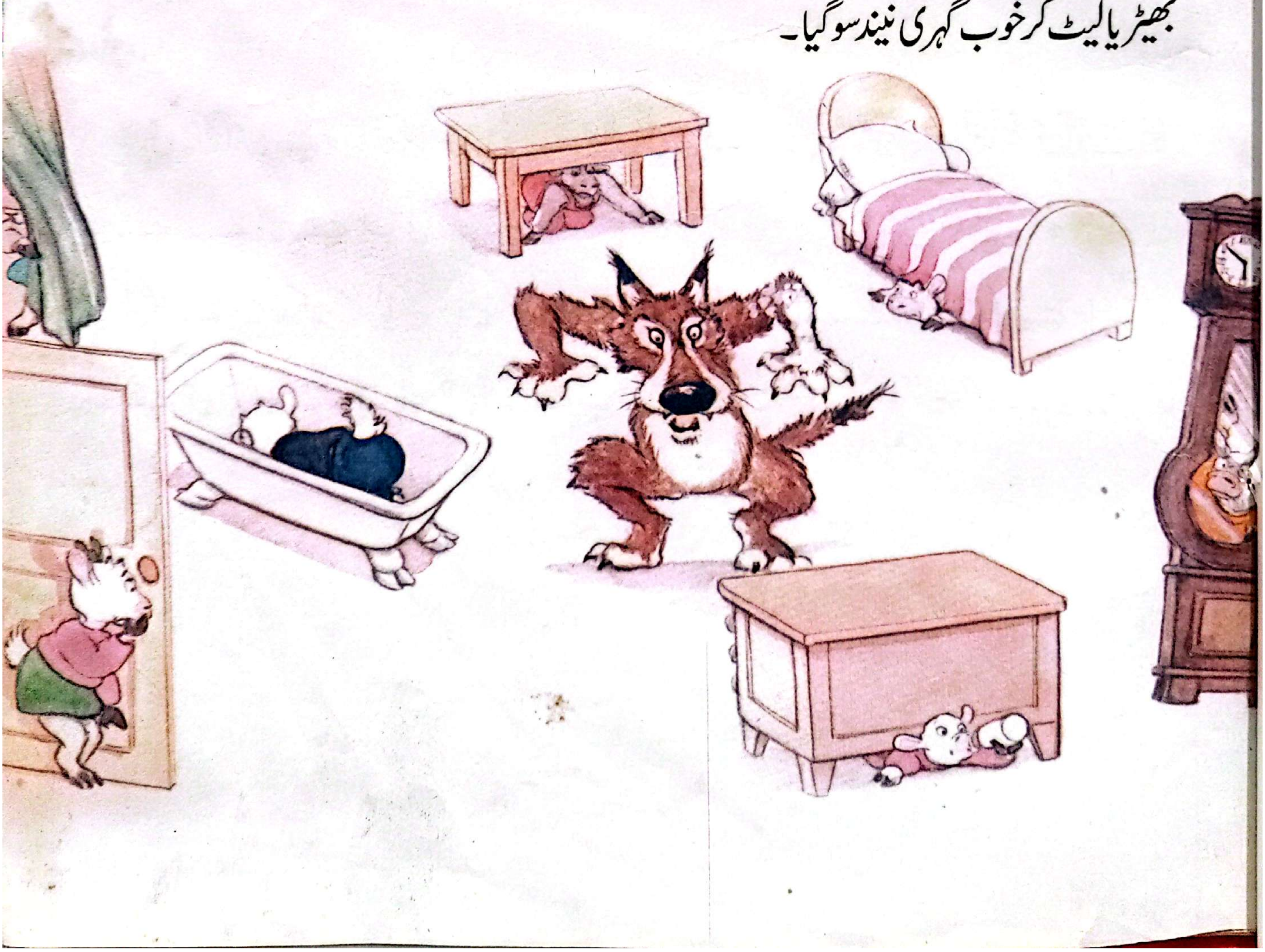


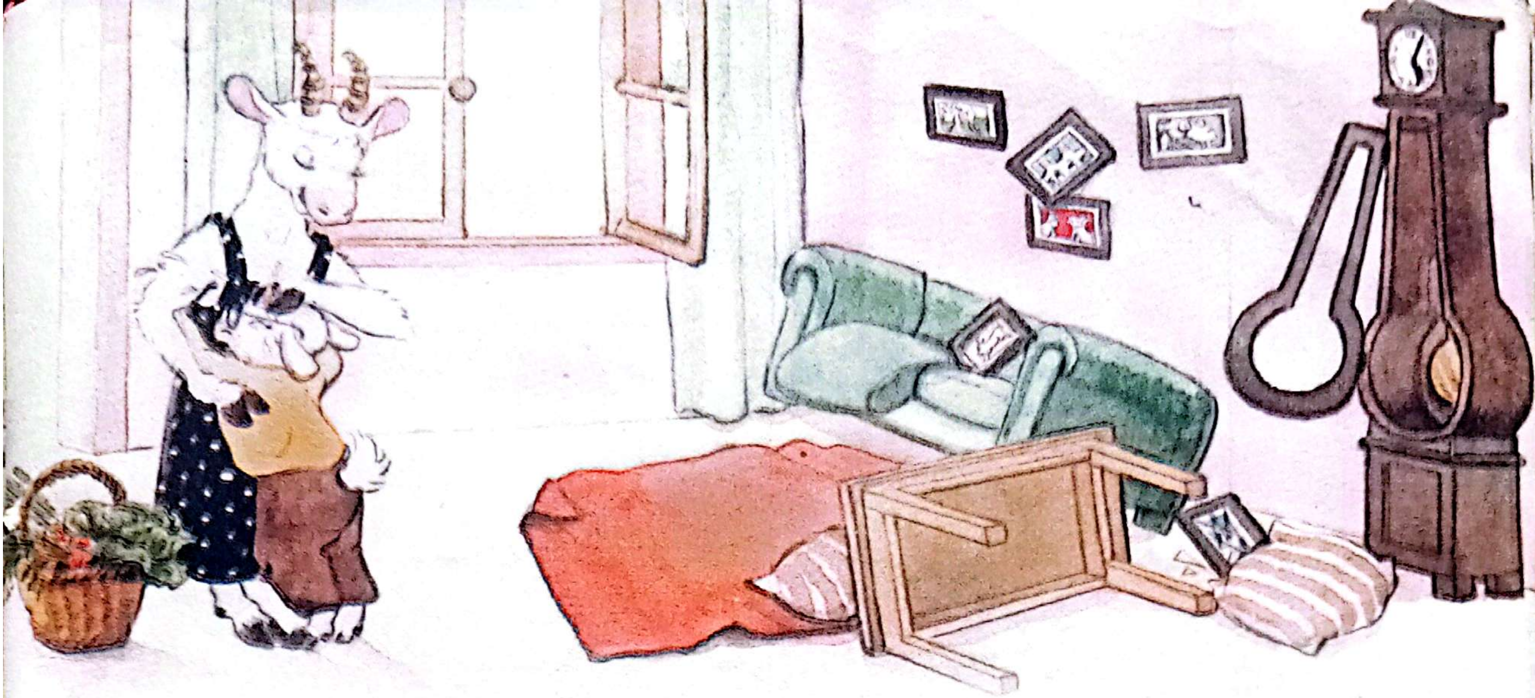
بھیڑیا ایک مرتبہ پھر وہاں سے واپس آ گیا۔ اب وہ ایک اور دوکان پر گیا وہاں سے اس نے تھوڑا سا آٹا چرایا اور اپنے پاؤں پر مل کر انہیں سفید کر دیا۔

ایک مرتبہ پھر بھیڑیئے نے بکری کے گھر آ کر دروازے پر دستک دی اور بچوں کے پوچھنے پر بتایا کہ میں تمہاری ماں ہوں.... دروازہ کھولو۔ بھیڑیئے نے آواز بھی بدلی ہوئی تھی اور اب اس کے پاؤں بھی سفید نظر آ رہے تھے۔ اس لیے بکری کے بچے دھوکہ کھا گئے اور دروازہ



کھول دیا۔ جیسے ہی انہوں نے دروازہ کھولا.... بھیڑیا اندر گھس آیا اور بولا ''ہوں ں ں.... میں تم سب کو کھا جاؤں گا۔'' بچوں کا خوف کے مارے برا حال تھا۔ وہ سب کو نگل گیا لیکن ایک بچہ کافی تلاش کے باوجود اسے نہ ملا تو اس نے سوچا چلو اب تو اور کھانے کی گنجائش بھی نہیں اگر ایک بچہ نہیں ملا تو کیا ہوا۔ یہ سوچ کر وہ بکری کے گھر سے نکلا اور جنگل کی طرف چل دیا۔ جنگل پہنچ کر اسے بہت زور سے نیند آنے لگی۔ بھیڑیا لیٹ کر خوب گہری نیند سو گیا۔





بکری واپس آئی تو گھر کا دروازہ کھلا تھا اس نے اندر داخل ہو کر دیکھا تو گھر کا سارا سامان بکھرا پڑا تھا۔ بکری کو دیکھتے ہی ایک بچہ بھاگتا ہوا آیا اور ماں سے لپٹ کر رونے لگا۔ ماں کے پوچھنے پر اس نے سارا واقعہ بتایا۔

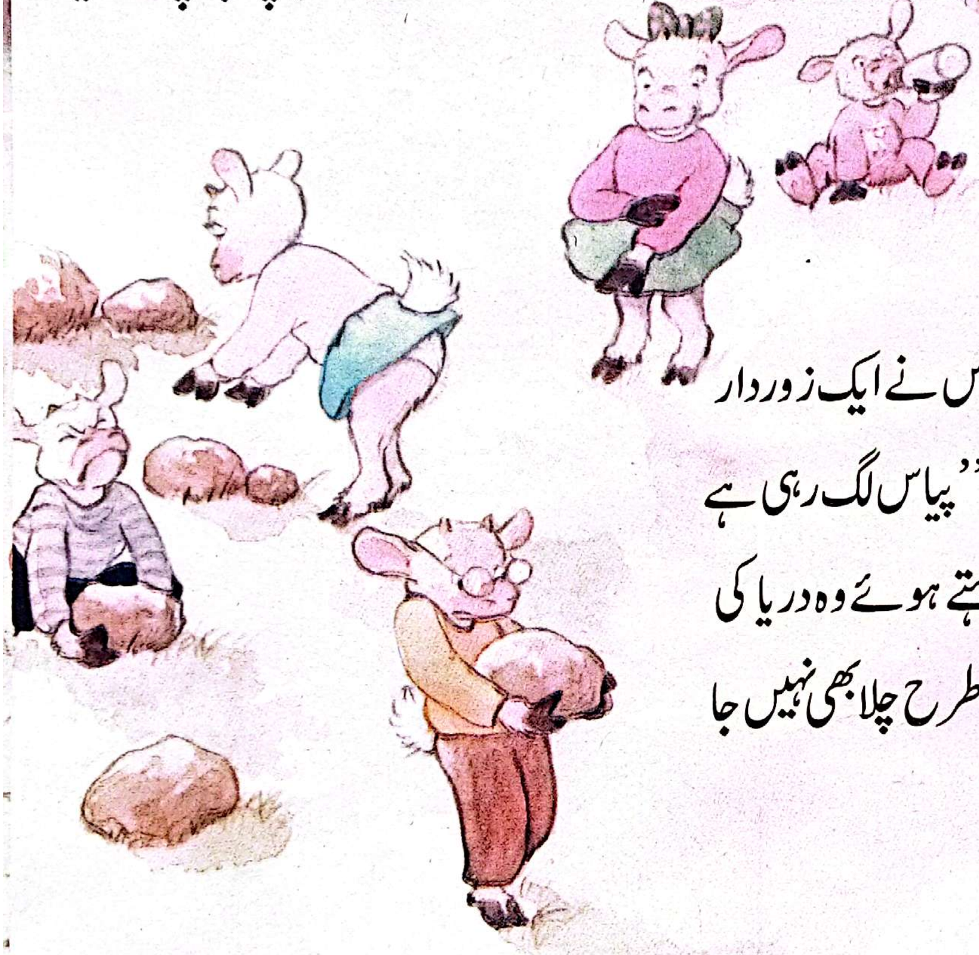
بکری نے اس بچے کو ساتھ لیا اور تیزی سے جنگل کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ ہی دیر بعد بکری اور اس کا ایک بچہ سوئے ہوئے بھیڑیئے تک پہنچ گئے۔

بکری نے دیکھا کہ بھیڑیا گہری نیند سو رہا ہے۔ اس نے بھیڑیئے کے پیٹ کو قینچی سے چاک کر دیا۔ پیٹ کھلتے ہی بکری کے بچے باہر نکل آئے۔ اب بکری نے اپنے بچوں کو کہا ''جلدی سے کچھ پتھر اٹھا





کرلاؤ۔'' بچوں نے پتھر تلاش کیئے تو بکری نے بھیڑیئے کے پیٹ میں رکھ کر اسے سوئی دھاگے سے سی دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ ایک بڑی چٹان کے پیچھے چھپ کر دیکھنے



لگے۔ کچھ دیر بعد بھیڑیا جاگ گیا۔ اس نے ایک زوردار انگڑائی لی اور اپنے آپ سے کہنے لگا'' پیاس لگ رہی ہے میرا خیال ہے پانی پینا چاہیے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ دریا کی طرف چل پڑا لیکن بھیڑیئے سے صحیح طرح چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔



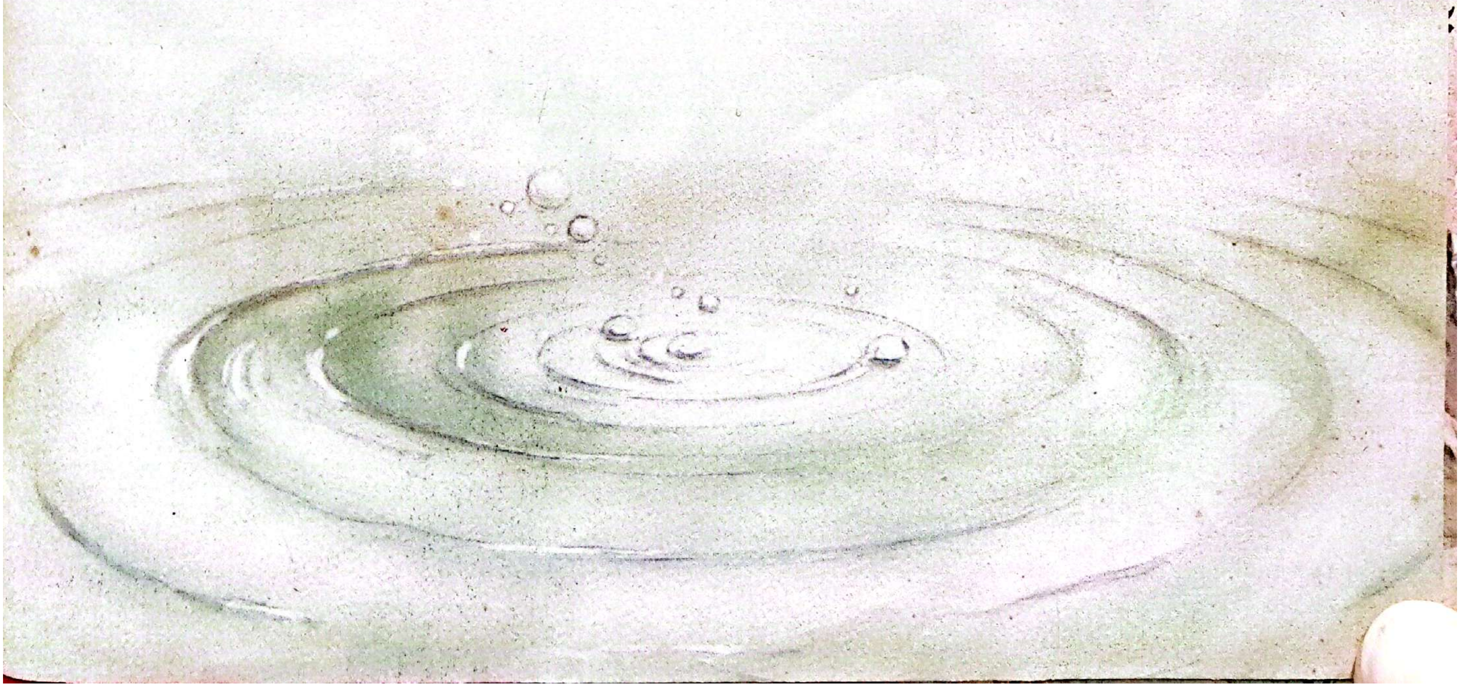
بھیڑیا ایک بار پھر اپنے آپ سے بولا'' مجھے سارے بچے آج نہیں کھانے چاہیے تھے.... میرا پیٹ بہت بھاری ہو رہا ہے.... پتہ نہیں یہ کب تک ہضم ہوں گے۔''

بھیڑیا بڑی مشکل سے چلتا ہوا دریا

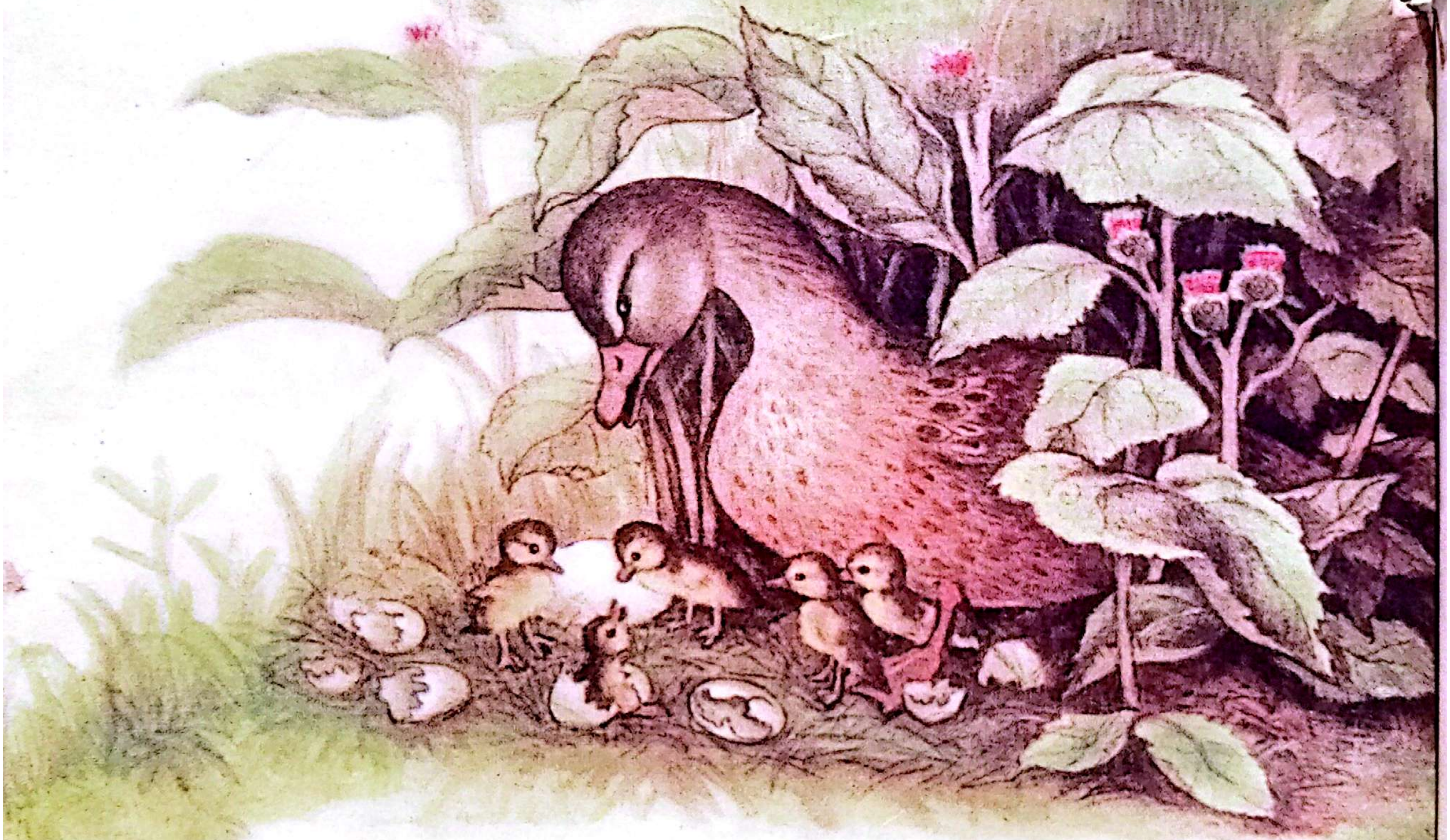


تک پہنچا اور پانی پینے کے لیے نیچے کی طرف جھکا لیکن یہ کیا.... بھیڑیا تو دریا میں گر گیا۔ دراصل پیٹ میں پتھروں کا وزن ہونے کی وجہ سے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور دریا میں گر کر ڈوب گیا۔ اس طرح بکری کی عقلمندی کی وجہ سے ان سب کو آئندہ کے لیے ظالم اور لالچی بھڑیئے سے نجات مل گئی۔

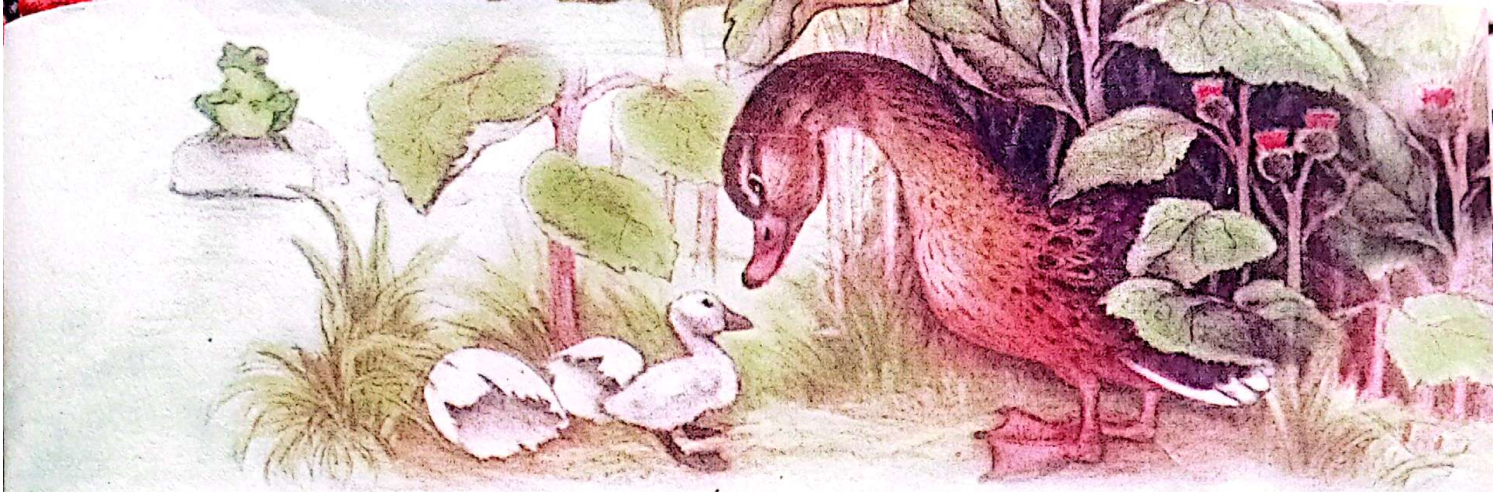
نتیجہ: لالچ بری بلا ہے۔



بدصورت بطخ



کسی شہر کے قریب ایک قلعہ واقع تھا۔ اس قلعے کے چاروں طرف خندق
کھودی گئی تھی اور خندق کے ساتھ ساتھ اونچی خاردار جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔
گرمیوں کے دن تھے شام کے وقت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ کافی دنوں سے جھاڑیوں کے
قریب ایک بطخ انڈوں پر بیٹھی بچے نکلنے کا انتظار کر رہی تھی۔ بالآخر ایک ایک کر کے
انڈے ٹوٹنے لگے اور ان میں سے بچے باہر نکل آئے لیکن سب



سے بڑا ایک انڈہ ابھی تک نہیں ٹوٹا تھا۔

ایک اور بطخ نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے کہا تم اس انڈے میں سے بچے کے نکلنے کا انتظار نہ کرو کیونکہ اب تو بہت دن ہو گئے ہیں۔ اب اس میں سے بچہ نہیں نکلے گا۔

پہلی بطخ نے کہا "نہیں........ ابھی میں کچھ دیر اور انتظار کروں گی........

مجھے یقین ہے کہ اس میں سے بھی بچہ نکلے گا۔"





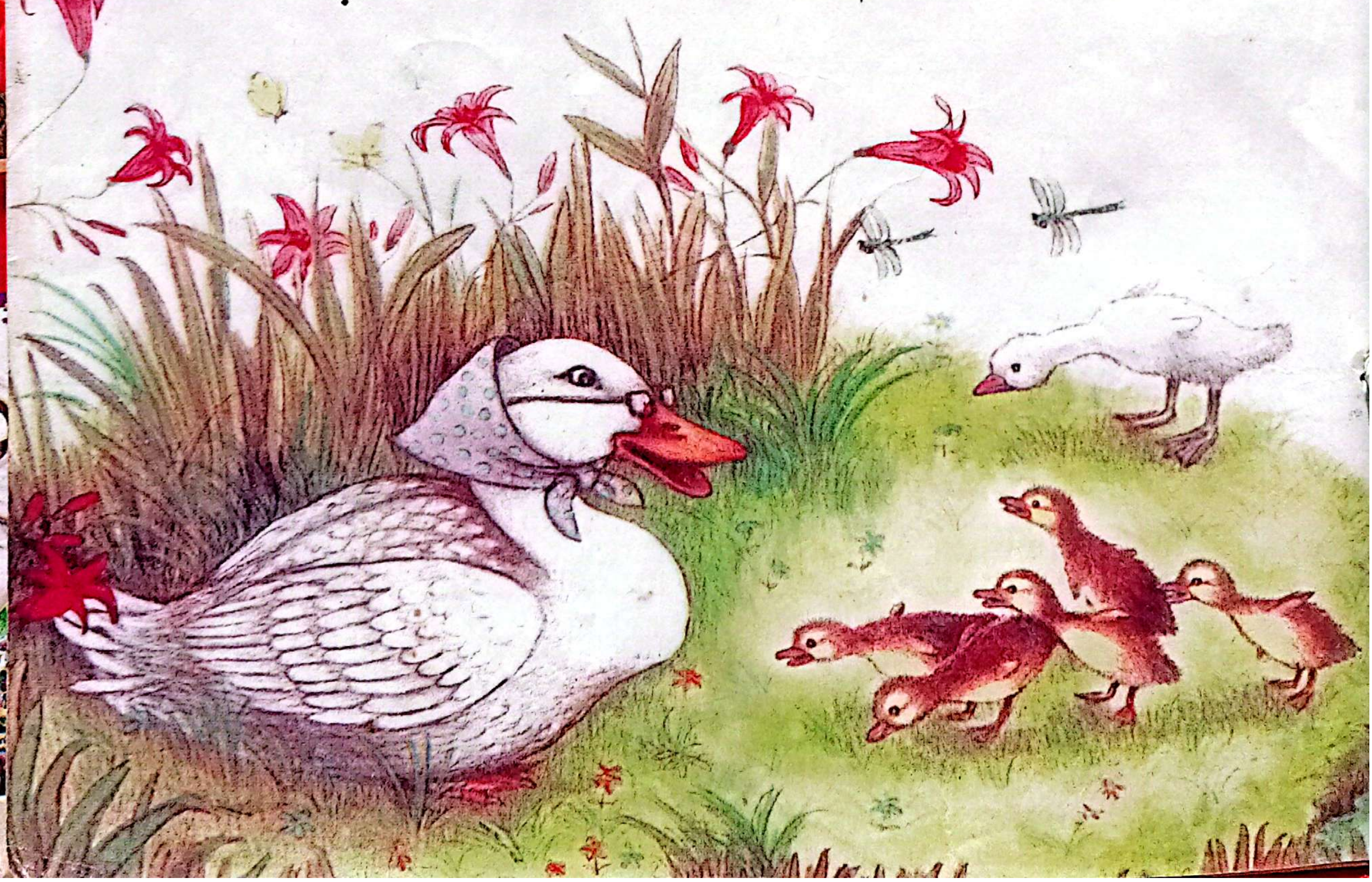
اور پھر اس آخری انڈے میں سے بھی بچہ نکل آیا۔ یہ بچہ دوسرے بچوں سے بالکل مختلف اور بدصورت تھا۔ بطخ اس کو دیکھ کر غمگین ہو گئی جبکہ دوسرے بچے اس کا مذاق اڑانے لگے۔

دوسرے دن بطخ نے اپنے بچوں کو کہا "اس خندق میں پانی بھرا ہوا ہے۔ آج ہم اس پانی میں تیرتے ہوئے خندق کے دوسری طرف جائیں گے........ پہلے میں پانی میں اتروں گی........ تم سب



مجھے دیکھتے رہنا اور پھر میرے پیچھے پیچھے چلے آنا۔'' یہ کہہ کر بطخ پانی میں اتر گئی اور کچھ دیر بعد بچے بھی پانی میں تیرتے ہوئے اس کے پیچھے آنے لگے۔

خندق کے دوسری طرف پہنچ کر بچے اپنے بدصورت بھائی کا مذاق اڑانے لگے تو بطخ نے کہا ''خبردار........ کوئی اس کو کچھ نہ کہے یہ تم سب سے اچھا تیرنا جانتا ہے۔'' اور ہاں........ سب ادھر ایک ساتھ کھیلو........ ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کسی کو بلی کھا جائے۔'' بدصورت بچہ سب سے

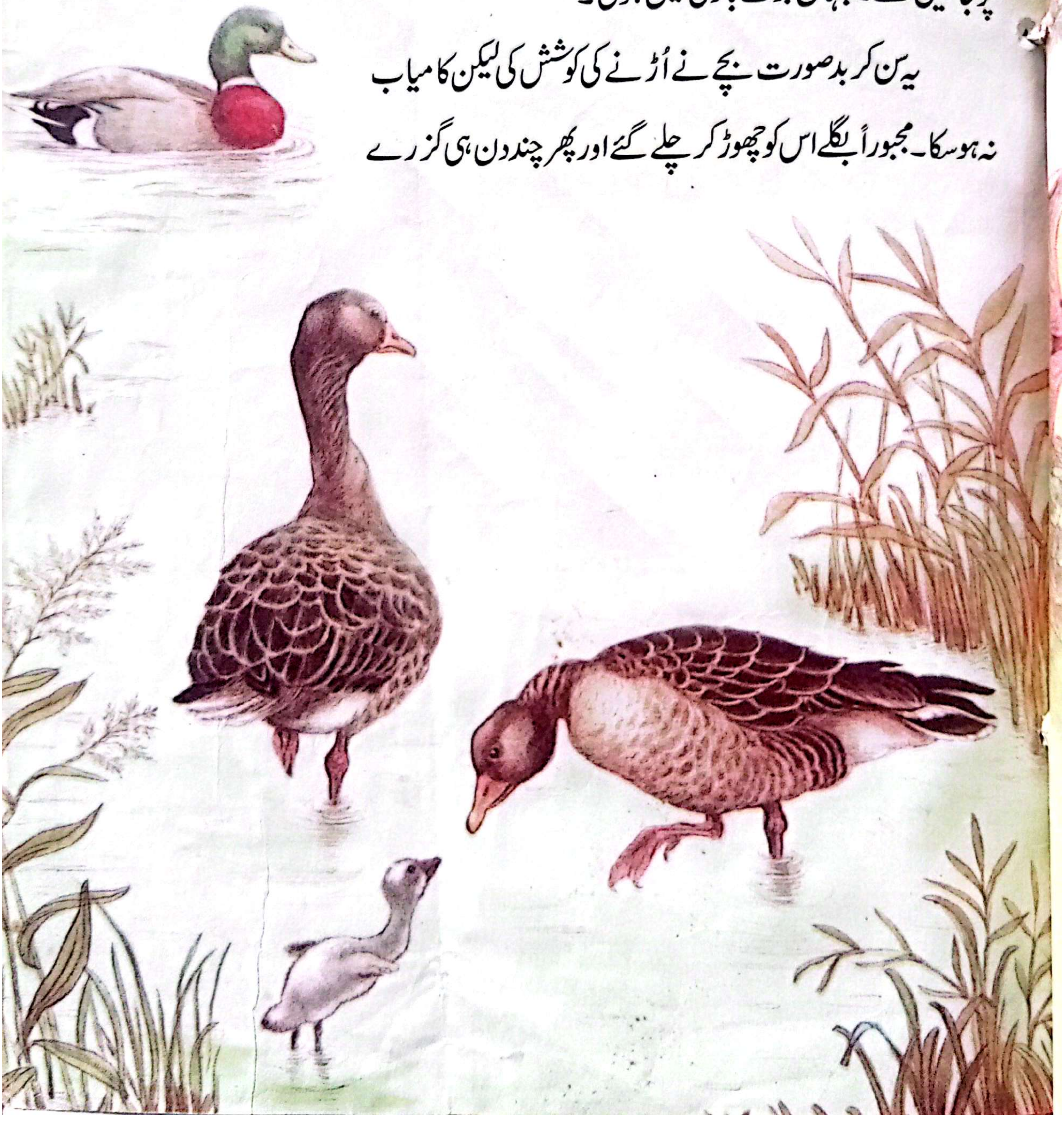


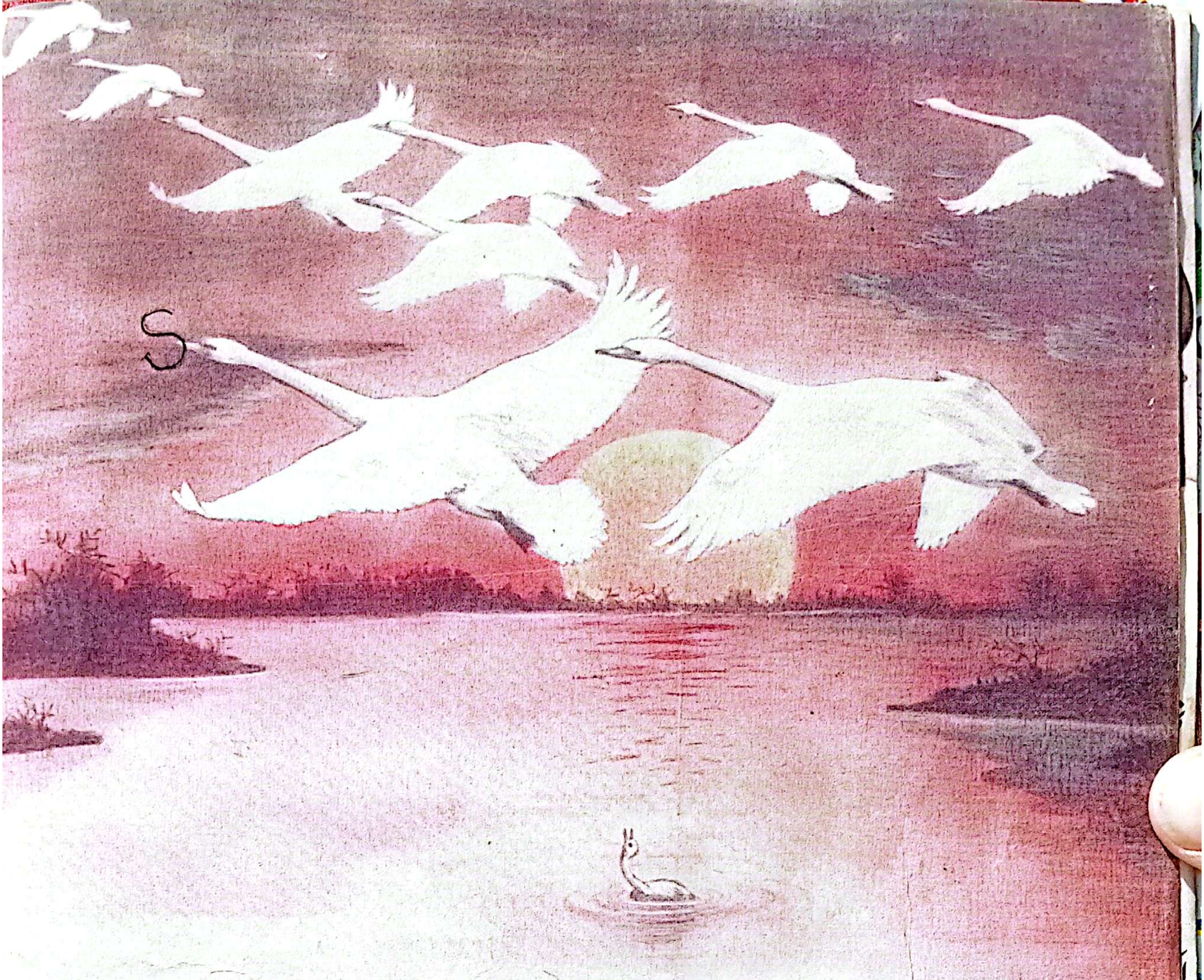


الگ ہی رہا۔ وہ محسوس کررہا تھا کہ دوسرے بچے اس کو اپنے ساتھ رکھنا نہیں چاہتے۔
بطخ نے جب دیکھا کہ یہ بدصورت بچہ ہر موقع پر علیحدہ ہی ہے تو اس نے دوسرے بچوں سے کہا اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر یہ ہمارے ساتھ نہیں رہنا چاہتا تو نہ سہی۔ وقت اسے خود ہی سکھا دے گا۔
اس کے بعد بطخ اور تمام بچے اس کو اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔

بدصورت بچہ ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا رہا۔ ایک روز بگلوں کا ایک غول ادھر سے گزر رہا تھا انہوں نے بطخ کے بچے کو کہا تم یہاں اکیلے رہ گئے ہو۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کچھ دن بعد یہاں برف باری شروع ہو جائے گی اور کھانے کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ بہتر ہے کہ تم ہمارے ساتھ اڑ چلو۔ ہم یہاں سے دور ایک اور جزیرے پر جائیں گے۔ جہاں برف باری نہیں ہوتی۔

یہ سن کر بدصورت بچے نے اُڑنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ مجبوراً بگلے اس کو چھوڑ کر چلے گئے اور پھر چند دن ہی گزرے

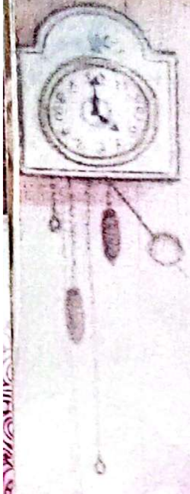




تھے کہ برف باری شروع ہوگئی۔ اب تو بطخ کے بدصورت بچے کو سردی نے بھی ستانا شروع کر دیا اور کھانے کا بھی مسئلہ بن گیا کیونکہ ہر طرف برف ہی برف تھی۔

سردی کی وجہ سے بچے کا برا حال تھا کہ ایک آدمی کا اس طرف سے گزر ہوا اس نے بطخ کے بچے کو اٹھایا اور گھر لا کر اسے کھانا دیا۔ اُس آدمی کے بچے اس بطخ کے بچے کو اپنے کمرے میں لے گئے اور اس طرح بطخ کا بچہ ان تینوں کے ساتھ رہنے لگا۔

سردی کا موسم ختم ہونے لگا۔ موسم بہار شروع ہو چکا تھا۔ ایک روز کھیلتے کھیلتے بطخ کے بچے نے اپنے پر کھولے تو اسے محسوس ہوا کہ وہ اڑ سکتا ہے اور پھر تھوڑی سی کوشش کے بعد واقعی اڑنے لگا۔



بچے اس کو اڑتا دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ بچوں کے اوپر ایک لمبا چکر لگایا اور اُڑتے اُڑتے یہ ایک طرف نکل گیا۔ کچھ دور ایک گہری جھیل کی سطح پر تین سفید خوبصورت بگلے تیر رہے تھے۔

بدصورت بچہ ان کو دیکھ کر اداس ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا یہ بہت خوبصورت بگلے ہیں جبکہ میری صورت ان سے بہت بھدی ہے۔ پتہ نہیں یہ مجھے اپنے ساتھ دیکھ کر میرا کتنا مذاق اڑائیں گے۔





یہ سب سوچتے سوچتے وہ جھیل کے اوپر پہنچ چکا تھا۔ اچانک اس نے جھیل کے شفاف پانی میں اپنا عکس دیکھا اور یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ اب اس کی بدصورتی ختم ہو چکی تھی۔

اس کے جسم پر بھی خوبصورت بڑے بڑے پر نکل آئے تھے اور دوسرے بگلوں کی طرح اس کی بھی لمبی سی گردن تھی۔

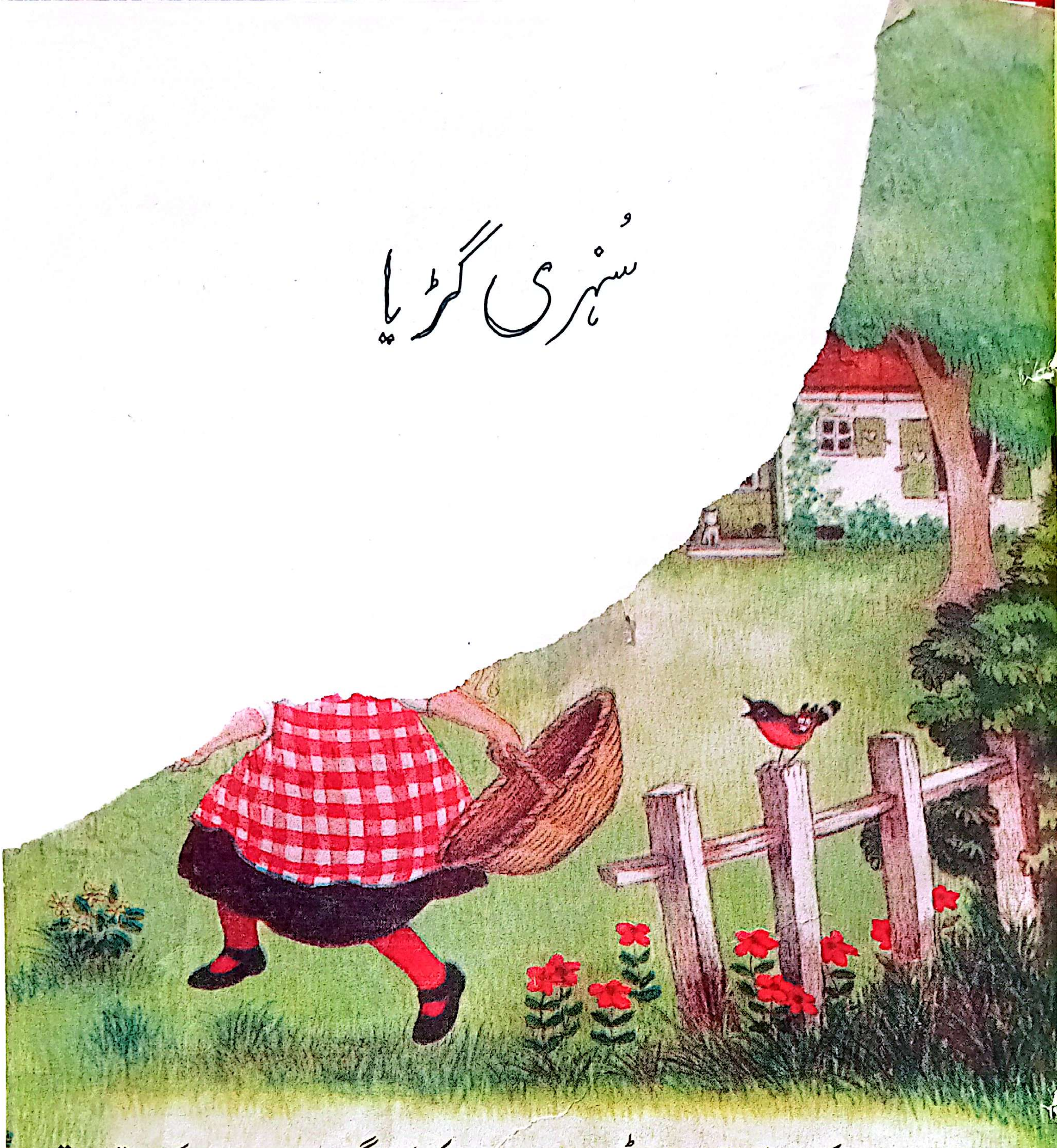




پھر وہ فضا سے اتر کر جھیل کی سطح پر دوسرے بگلوں کے پاس آ کر تیرنے لگا۔ اتنی دیر میں تینوں بچے بھی اسے تلاش کرتے ہوئے جھیل کے کنارے پہنچ گئے۔ انہوں نے جب بگلے کے بچے کو اپنے ہی جیسے دوسرے بچوں کے ساتھ دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ بگلے نے بھی بچوں کے قریب آ کر چیخ چیخ کر خوشی کا اظہار کیا اور بچوں کا شکریہ ادا کیا۔



سُنہری گڑیا



ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک چھوٹی سی خوبصورت بچی ایک گھر میں اپنی امی کے ساتھ رہتی تھی۔ اس بچی کے بال بہت خوبصورت سنہری رنگ کے تھے۔ اسی لیے بچی کو سب لوگ سنہری گڑیا کہا کرتے تھے۔

ایک دن سنہری گڑیا نے اپنی امی سے کہا میں باہر سیر کرنے جا رہی ہوں آپ کے لیے

سنہری گڑیا کی

واپس لوٹ

... زیادہ دور نہ

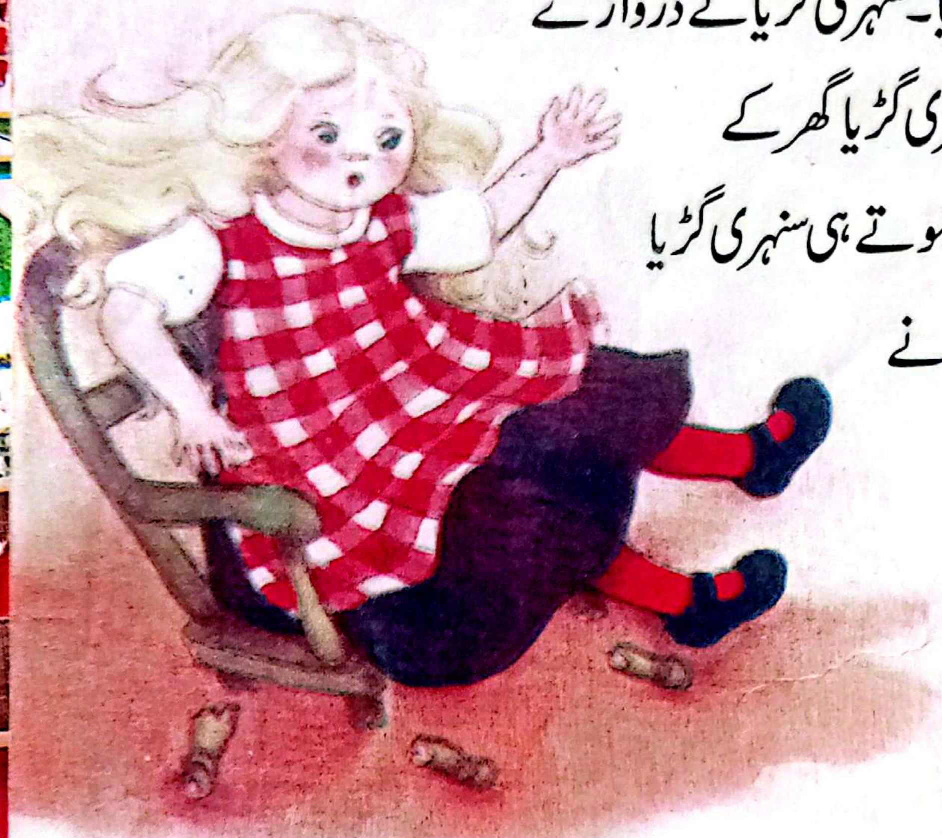
کہ تم راستہ بھول

نے پیار سے اپنی امی



ں باہیں ڈال دیں اور بولی ''امی جان
آپ فکر نہ کریں میں کچھ ہی دیر بعد واپس آ
جاؤں گی۔'' گھر سے کچھ دور باغ میں پہنچ کر سنہری
گڑیا نے رنگ برنگے پھول چننے شروع کر
دیئے۔ وہ پھول چن چن کر اپنی ٹوکری میں رکھتے
ہوئے آگے بڑھتی گئی سنہری گڑیا
پھول چننے میں اس قدر محو تھی کہ وقت

گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ سنہری گڑیا کافی زیادہ تھک گئی تھی۔ وہ آرام کی غرض سے باغ میں بیٹھ گئی اُسے بھوک نے بھی ستانا شروع کر دیا۔ اچانک سنہری گڑیا نے دیکھا کہ باغ کے ایک کونے میں ایک خوبصورت گھر تھا۔ سنہری گڑیا اس گھر کے دروازے تک گئی اور دستک دی لیکن کافی مرتبہ دستک دینے کے باوجود دروازہ نہ کھلا تو اس نے تالے کے سوراخ سے اندر جھانک کر دیکھا وہاں سنہری گڑیا کو کوئی نظر نہ آیا۔ سنہری گڑیا نے دروازے کا ہینڈل دبایا تو دروازہ کھل گیا۔ سنہری گڑیا گھر کے اندر داخل ہوگئی۔ گھر کے اندر داخل ہوتے ہی سنہری گڑیا کو بھینی بھینی خوشبو محسوس ہوئی۔ اس نے





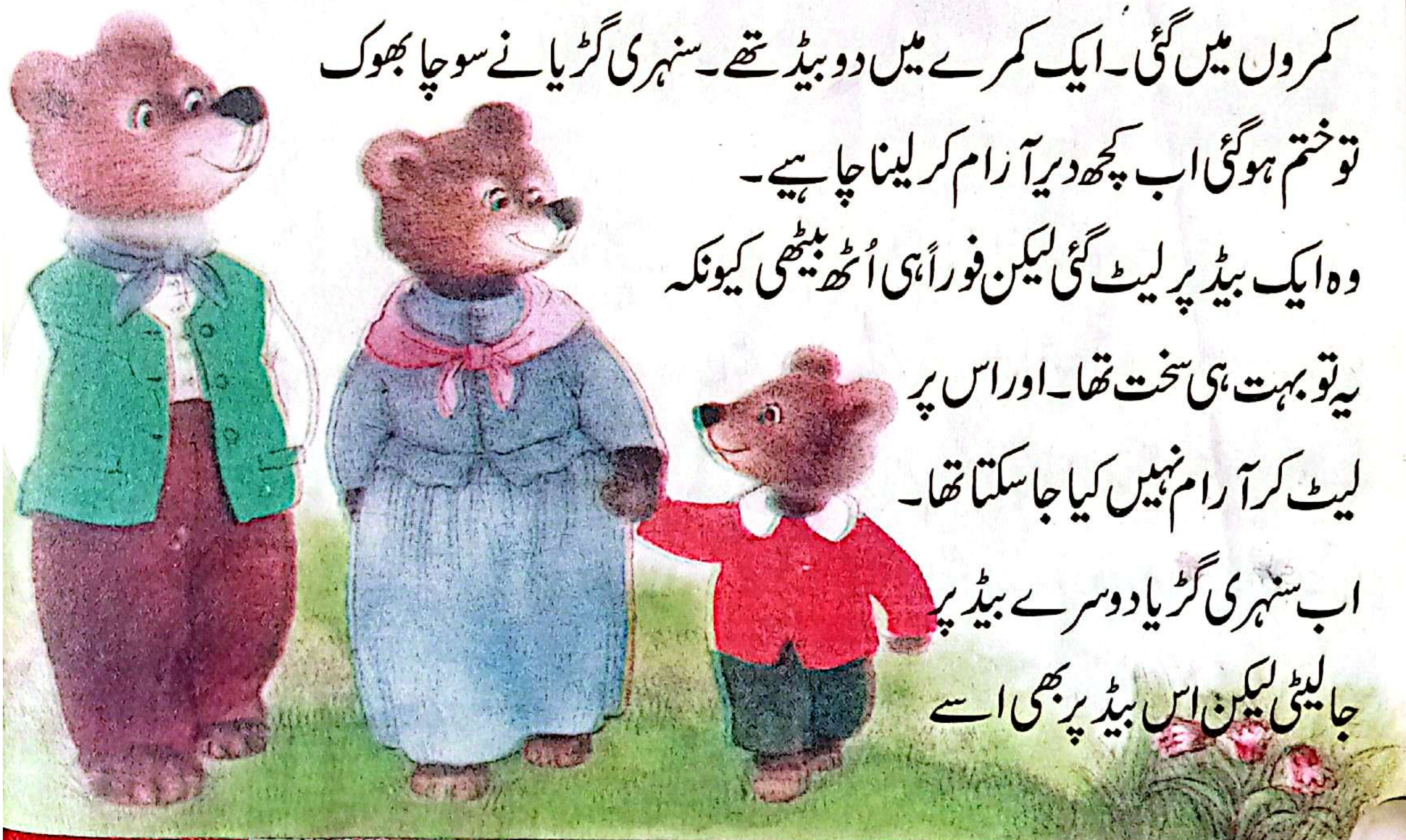
آگے بڑھ کر دیکھا تو ایک کھانے کی میز پر تین باؤل رکھے تھے۔ ان میں کھانے کی مختلف اشیاء تھیں۔ میز کے گرد تین کرسیاں رکھی تھیں۔ سنہری گڑیا بڑی کرسی پر بیٹھی لیکن وہ اسے پسند نہ آئی کیونکہ یہ بہت ہی سخت تھی۔ پھر وہ درمیانے سائز کی کرسی پر بیٹھی لیکن وہ بھی پسند نہ آئی کیونکہ وہ اتنی نرم تھی کہ سنہری

گڑیا اس میں دھنس گئی۔ آخر میں وہ چھوٹی کرسی پر بیٹھی لیکن یہ کیا .... کرسی تو بہت ہی نازک تھی وہ سنہری گڑیا کا وزن نہ سہار سکی اور ٹوٹ گئی۔

سنہری گڑیا نے جلدی سے آگے بڑھ کر بڑے باؤل میں سے ایک چمچ بھر کر منہ میں رکھا جو اتنا گرم تھا کہ اس کی زبان جلنے لگی۔ سنہری گڑیا نے اس کو چھوڑ کر درمیانے سائز کے باؤل میں سے ایک چمچ لے کر چکھا لیکن اس کا ذائقہ اسے



پسند نہ آیا۔ اب اس نے چھوٹے باؤل میں دیکھا اس میں بے حد لذیذ سوپ تھا۔ سنہری گڑیا نے سوپ کا باؤل اٹھایا اور جلدی جلدی پینے لگی۔ سوپ پینے کے بعد سنہری گڑیا گھر کے دوسرے کمروں میں گئی۔ ایک کمرے میں دو بیڈ تھے۔ سنہری گڑیا نے سوچا بھوک تو ختم ہو گئی اب کچھ دیر آرام کر لینا چاہیے۔



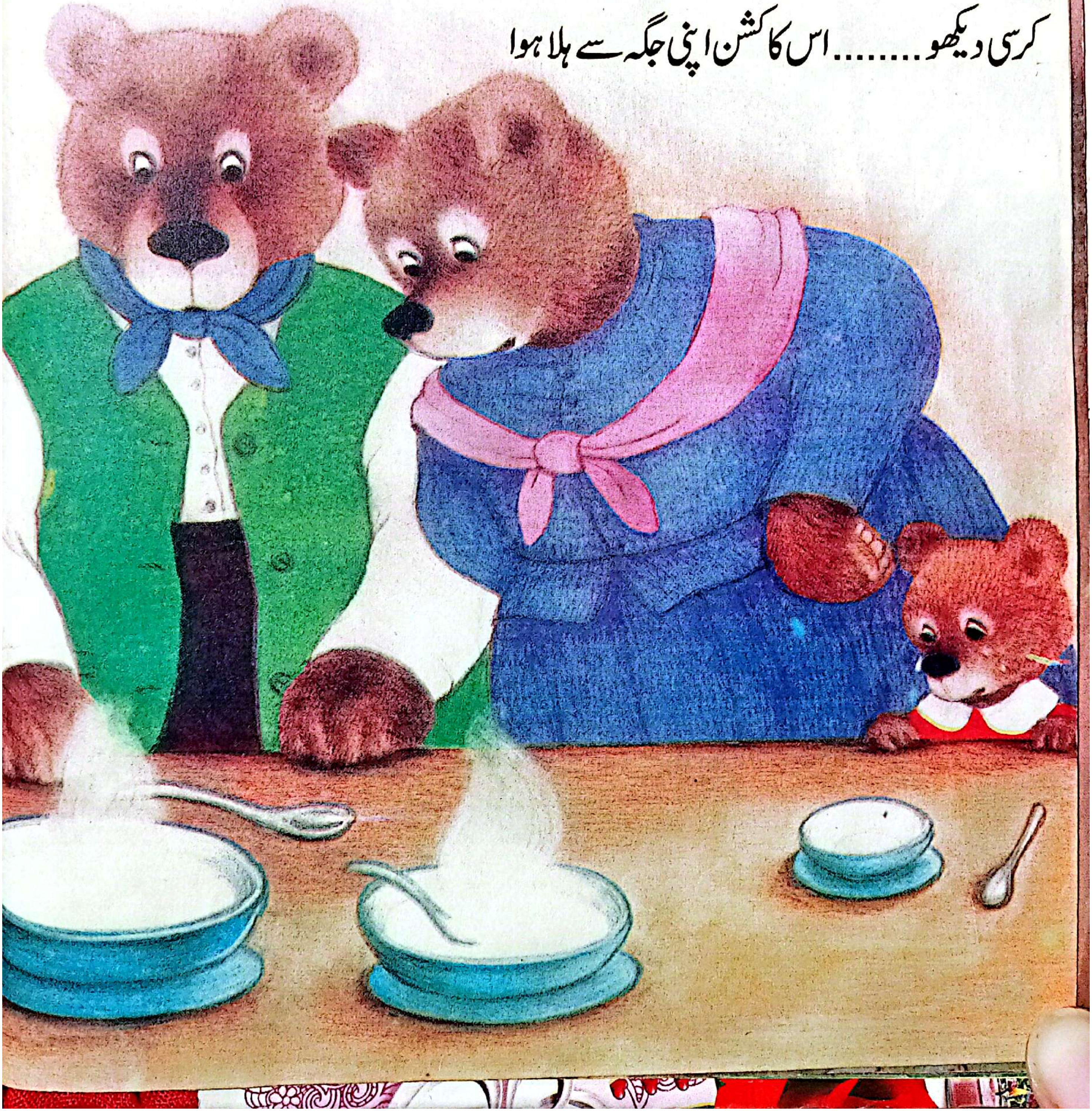
وہ ایک بیڈ پر لیٹ گئی لیکن فوراً ہی اُٹھ بیٹھی کیونکہ یہ تو بہت ہی سخت تھا۔ اور اس پر لیٹ کر آرام نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اب سنہری گڑیا دوسرے بیڈ پر جا لیٹی لیکن اس بیڈ پر بھی اسے

آرام کا احساس نہ ہوا۔ وہ اُٹھی اور گھر کے دوسرے کمروں کی طرف چلی گئی ایک اور کمرے میں
سنہری گڑیا نے دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت نرم و گداز بیڈ تھا۔ سنہری گڑیا اس پر لیٹ گئی یہ بیڈ
بہت زیادہ آرام دہ تھا۔ جلد ہی وہ گہری نیند کی آغوش
میں چلی گئی۔



یہ گھر دراصل بھالوؤں کا تھا یہاں ایک چھوٹا بھالو اپنے ابو اور امی کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ سیر کرنے باہر گئے ہوئے تھے۔ جب واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ ان کے گھر میں کوئی داخل ہوا ہے۔ وہ اپنے گھر داخل ہونے والے کی تلاش میں جیسے ہی آگے بڑے تو چھوٹے بھالو کے ابو نے کہا "دیکھو میری کرسی اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی ہے۔ کسی نے اس پر بیٹھنے کی کوشش کی ہے۔" بھالو کی امی بولیں "اور میری کرسی دیکھو....... اس کا کشن اپنی جگہ سے ہلا ہوا



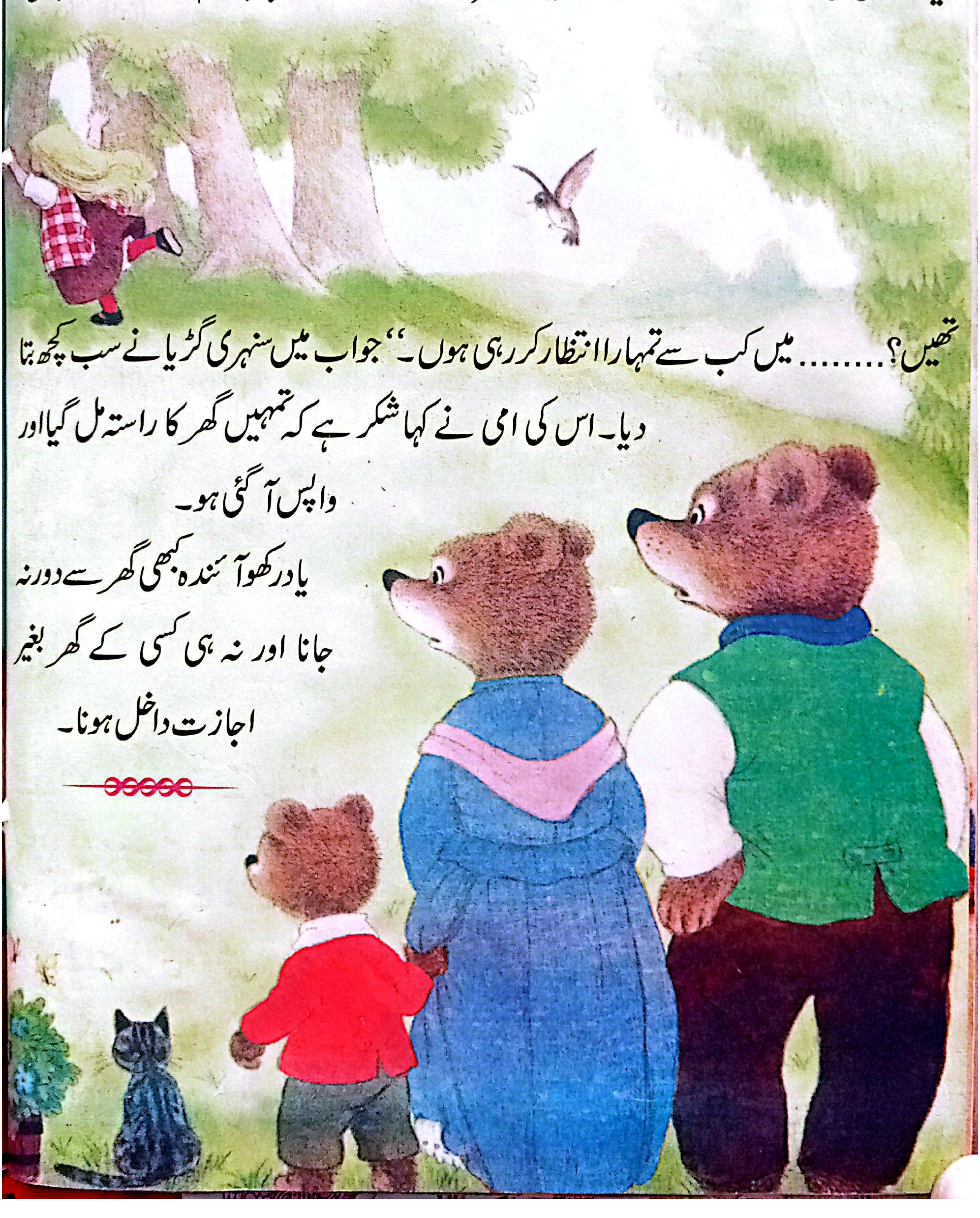


ہے۔" چھوٹے بھالو نے کہا "امی........ دیکھیں میری کرسی تو کسی نے بالکل ہی توڑ دی ہے۔" دوسرے کمرے میں آ کر انہوں نے دیکھا کہ سنہری گڑیا چھوٹے بھالو کے بیڈ پر سو رہی تھی۔ وہ تینوں حیران حیران نظروں سے سنہری گڑیا کو دیکھ رہے تھے اور سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ اتنی دیر میں سنہری گڑیا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اپنے اردگرد بھالوؤں کو دیکھا تو گھبرا کر اٹھی اور باہر کی طرف بھاگ گئی۔

کافی دور جا کر اس نے دیکھا تو تینوں بھالو اپنے گھر کے باہر کھڑے اس کو جاتا دیکھ رہے

تھے

کافی دیر بھٹکنے کے بعد سنہری گڑیا گھر پہنچی تو اس کی امی بے حد پریشان تھیں۔ سنہری گڑیا کو دیکھ کر اس کی امی نے سکون کا سانس لیا اور سرزنش کرتے ہوئے پوچھا تم اتنی دیر تک کہاں



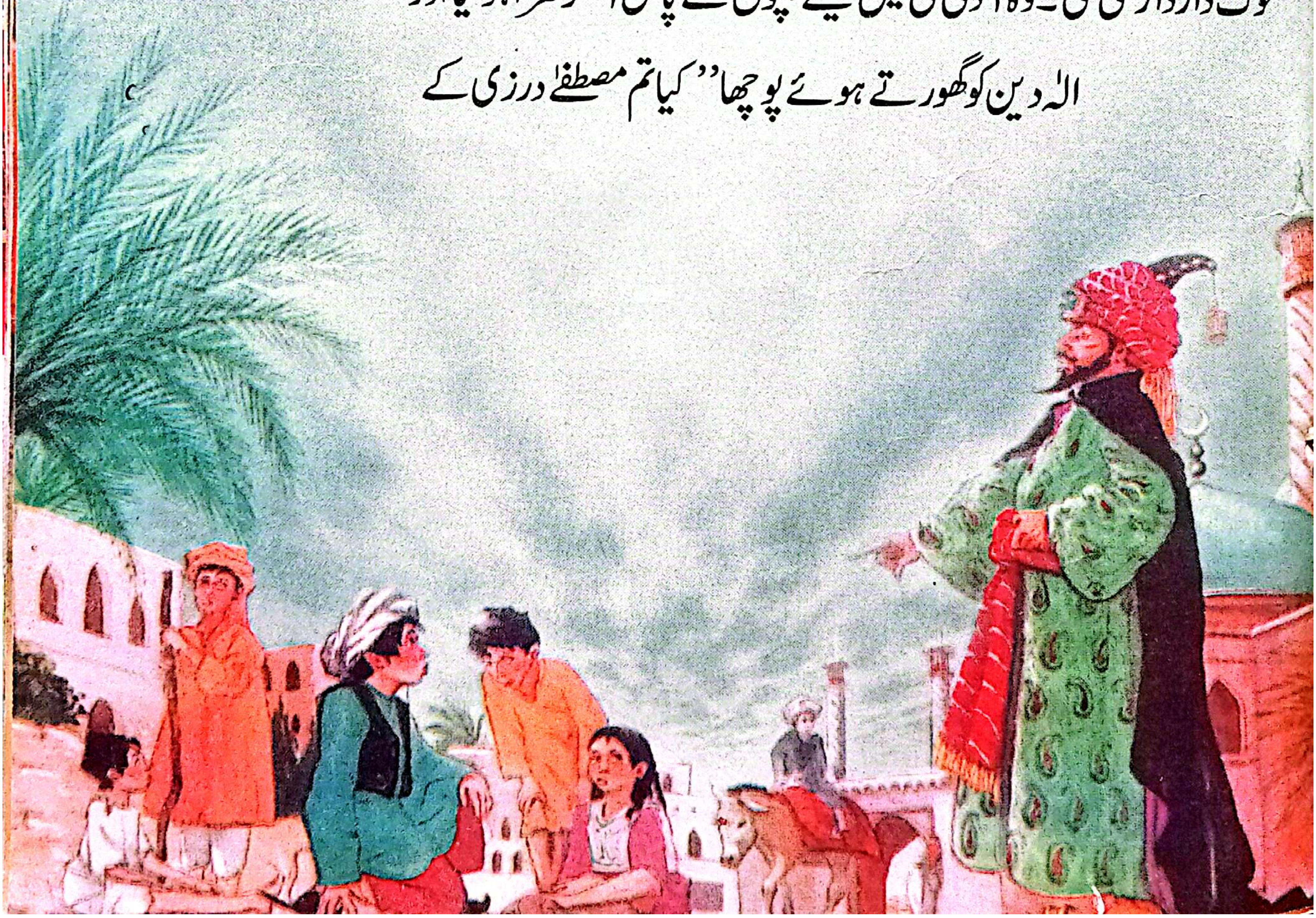
تھیں؟........ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔'' جواب میں سنہری گڑیا نے سب کچھ بتا دیا۔ اس کی امی نے کہا شکر ہے کہ تمہیں گھر کا راستہ مل گیا اور واپس آ گئی ہو۔

یاد رکھو آئندہ کبھی گھر سے دور نہ جانا اور نہ ہی کسی کے گھر بغیر اجازت داخل ہونا۔

الٰہ دین اور جادو کا چراغ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ دور کسی مشرقی ملک میں ایک لڑکا رہتا تھا۔ اس کا نام الٰہ دین تھا۔ الٰہ دین کے ابو فوت ہو چکے تھے۔ الٰہ دین اور اس کی امی بہت غربت کی زندگی گزار رہے تھے۔ الٰہ دین ابھی چھوٹا تھا اس لیے کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ وہ سارا دن محلے کے لڑکوں کے ساتھ گلی میں کھیلتا رہتا تھا۔

ایک دن الٰہ دین اپنے دوستوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ وہاں ایک عجیب حلیئے کا آدمی آیا۔ اس آدمی نے سر پر ریشمی کپڑے کی پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ اس کی ناک چپٹی اور بھدی تھی۔ اس کے منہ پر نوک دار داڑھی تھی۔ وہ آدمی گلی میں کھیلتے بچوں کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور الٰہ دین کو گھورتے ہوئے پوچھا ''کیا تم مصطفٰے درزی کے





بیٹے ہو؟'' الہ دین نے کہا'' جی ہاں میں مصطفےٰ کا ہی بیٹا ہوں اور میرا نام الہ دین ہے۔ لیکن میں آپ کو نہیں جانتا........ آپ کون ہیں؟'' اجنبی نے کہا'' تم مجھے نہیں جانتے ہو گے......... میں ضرور۔''

تمہارا چچا ہوں......... جب تم چھوٹے سے تھے تو میں یہ شہر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔'' الہ دین بہت خوش ہوا اور بولا'' اچھا ہوا چچا جان آپ واپس آ گئے......... ابو جان کی وفات کے بعد ہم بہت تنہا ہو گئے ہیں اور ہمارے پاس کھانے کے لیے بھی مشکل سے ہی پیسے ہوتے ہیں۔'' اجنبی نے الہ دین سے پوچھا

'' بیٹے کیا تم میرا ایک چھوٹا سا کام کرو گے؟ س کے بدلے میں تمہیں کچھ رقم دوں گا۔ الہ دین نے کہا ضرور......... مجھے رقم کی ضرورت ہے۔''

اجنبی الہ دین کو لے کر ایک غیر آباد جگہ کی طرف چلا آیا۔ یہاں ایک غار تھی۔ غار کے منہ پر بہت بھاری پتھر رکھا ہوا تھا۔ اجنبی نے پتھر ہٹایا تو اس کے نیچے ایک بہت ہی تنگ راستہ تھا۔ اس نے الہ دین کو کہا '' بیٹے! اس سوراخ سے غار کے اندر داخل ہو جاؤ اور وہاں جو ایک پرانا سا لیمپ رکھا ہوا ہے وہ اٹھا کر مجھے لا

دو اور ہاں .... یہ انگوٹھی اپنے پاس رکھ لو......... یہ تمہارا انعام ہے۔"

غار کے اندر تھوڑی دور چلنے کے بعد الہ دین کو روشنی کی کرنوں میں ہیرے اور جواہرات چمکتے ہوئے نظر آنے لگے۔ ایک کونے میں صندوق کے اوپر ایک پرانا سا لیمپ پڑا تھا۔ الہ دین نے لیمپ اٹھایا اور غار کے منہ پر آ کر آواز دی "چچا جان میرا ہاتھ پکڑ کر باہر نکالئے میں لیمپ لے آیا ہوں۔" اجنبی نے جواب دیا "ٹھیک ہے پہلے مجھے لیمپ دے دو پھر میں تمہیں باہر نکالتا ہوں۔"

الہ دین نے انکار کرتے ہوئے کہا "نہیں.........

پہلے مجھے باہر نکالو پھر میں تمہیں لیمپ دوں گا۔"

اجنبی نے کہا "اگر تم مجھے پہلے لیمپ نہیں دو گے

تو میں بھی تمہیں باہر نہیں نکالوں گا۔"



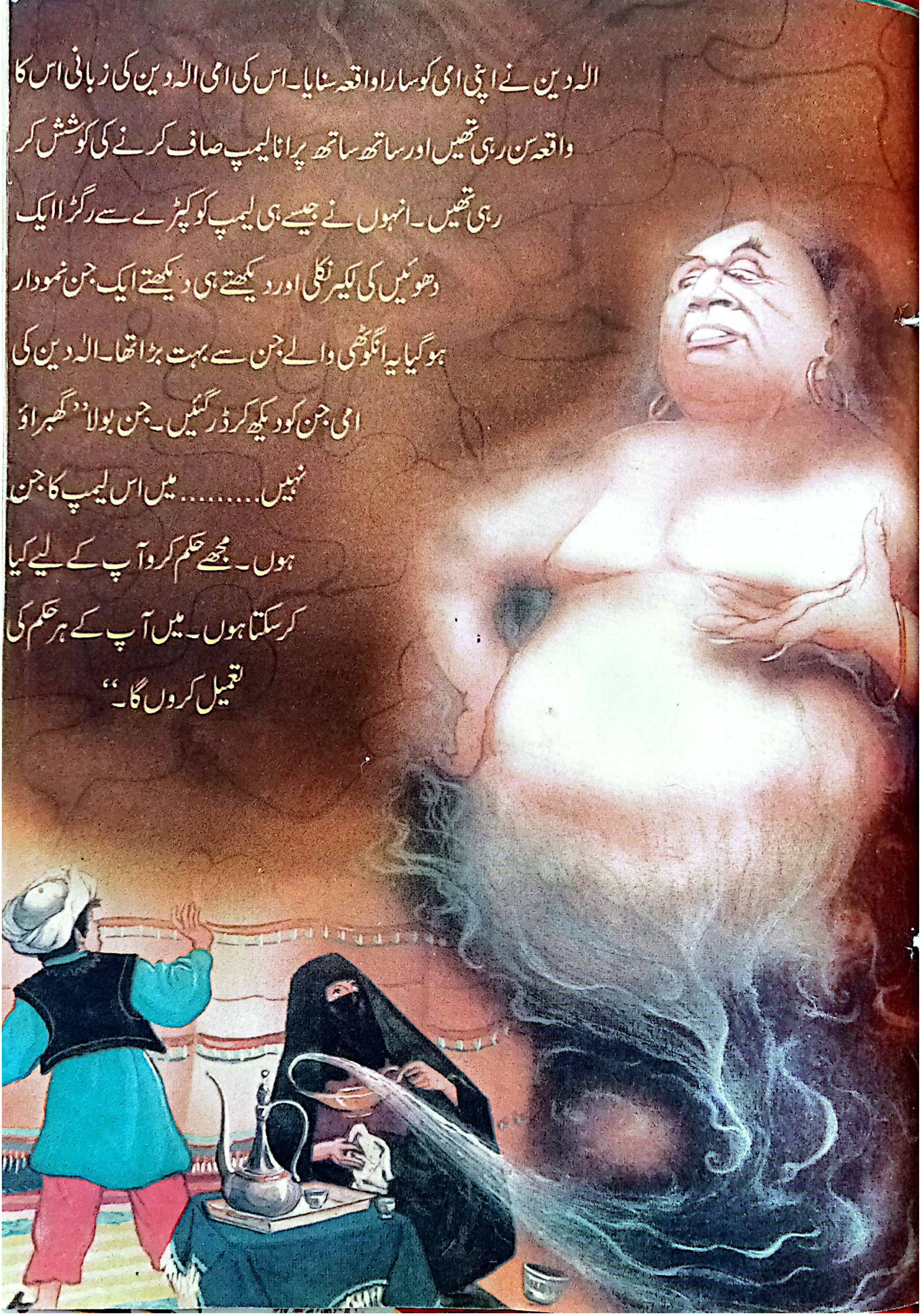
یہ کہہ کر اس نے بھاری پتھر دوبارہ غار کے منہ پر رکھ دیا۔

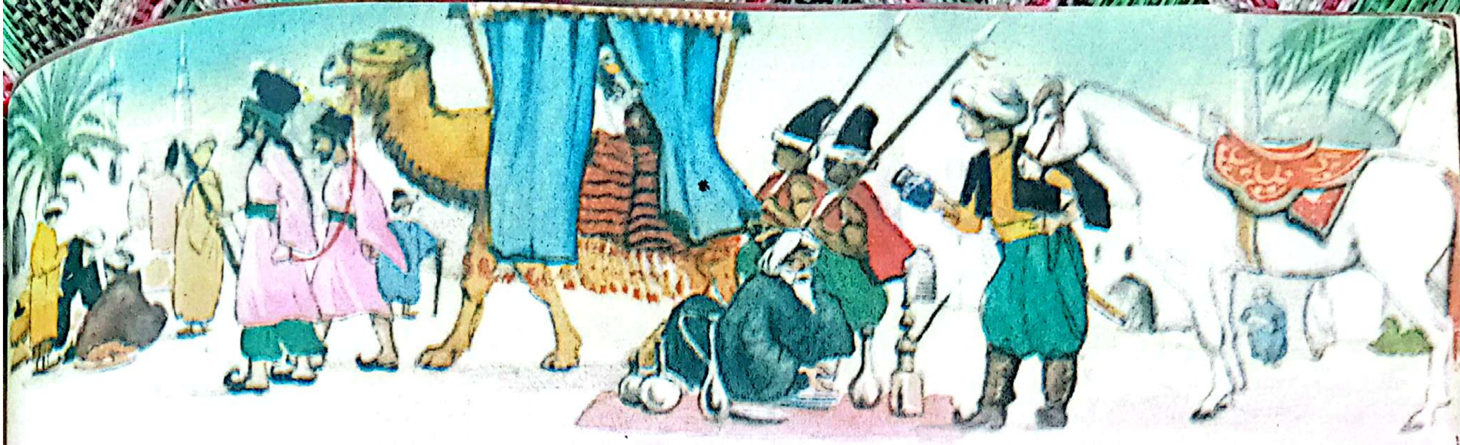
غار کا منہ بند ہو جانے کی وجہ سے اس میں گہرا اندھیرا چھا گیا۔ الہ دین پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ



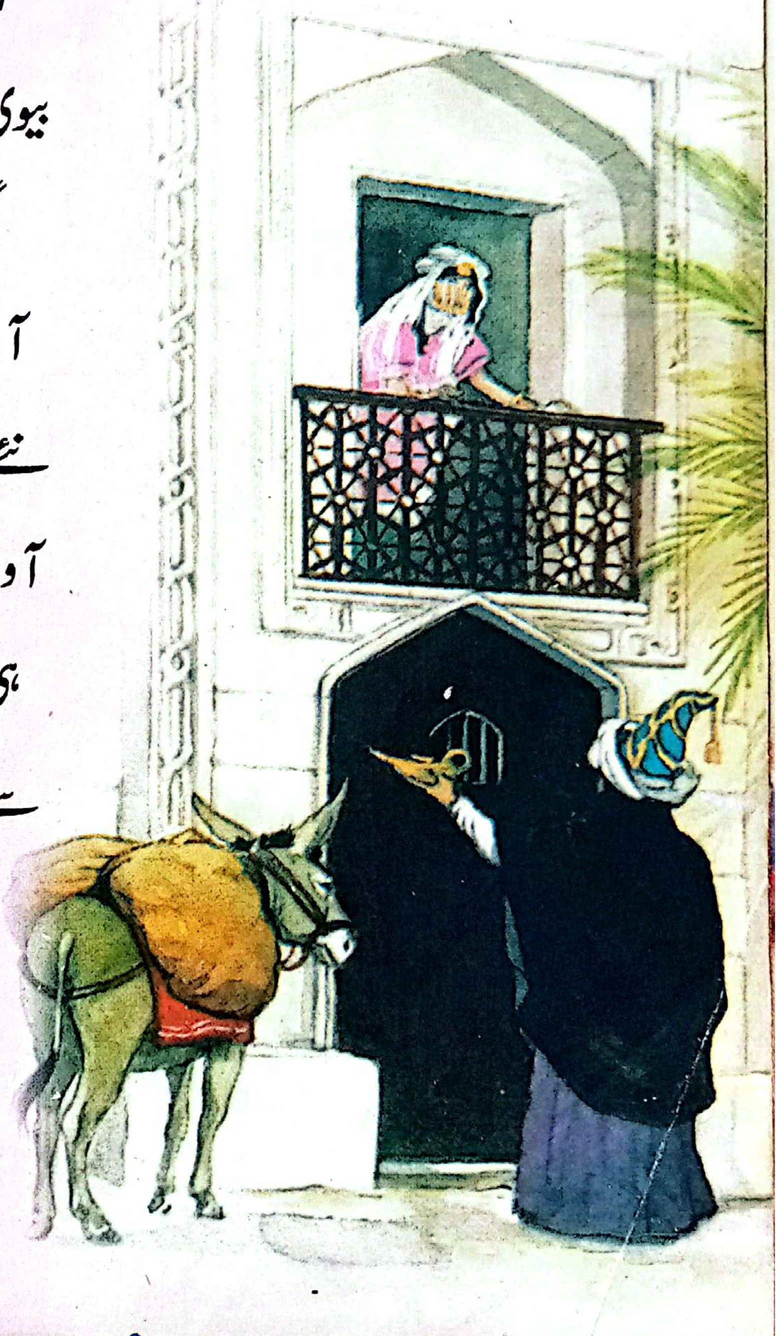
مصیبت سے کیسے چھٹکارا پائے۔ سوچتے سوچتے پریشانی کے عالم میں دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملنے لگا۔ فوراً ہی ایک جھما کا ہوا.......... ایک جن نمودار ہو گیا......... اور بولا ''کیا حکم ہے میرے آقا؟'' جن کو دیکھ کر الہ دین خوفزدہ ہو گیا۔ جن نے کہا گھبراؤ نہیں ''میں اس انگوٹھی کا جن ہوں اور جس کے پاس یہ انگوٹھی ہوتی ہے اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔'' الہ دین بولا ''مجھے فوراً اس غار سے باہر نکالو۔ میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں۔'' ابھی الہ دین نے اپنی بات پوری کی ہی تھی کہ اس نے اپنے آپ کو اپنے گھر میں کھڑے دیکھا۔

الہ دین نے اپنی امی کو سارا واقعہ سنایا۔ اس کی امی الہ دین کی زبانی اس کا واقعہ سن رہی تھیں اور ساتھ ساتھ پرانا لیمپ صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ انہوں نے جیسے ہی لیمپ کو کپڑے سے رگڑا ایک دھوئیں کی لکیر نکلی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک جن نمودار ہو گیا یہ انگوٹھی والے جن سے بہت بڑا تھا۔ الہ دین کی امی جن کو دیکھ کر ڈر گئیں۔ جن بولا ”گھبراؤ نہیں........ میں اس لیمپ کا جن ہوں۔ مجھے حکم کرو آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔“





اور پھر اس دن کے بعد الہ دین اور اس کی امی ایک خوشحال زندگی گزارنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد الہ دین کی بڑی دھوم دھام سے شادی ہوگئی۔ الہ دین نے لیمپ کے جن سے کہہ کر ایک بہت بڑا محل بنوایا اور اپنی بیوی کے ساتھ اس میں رہنے لگا۔ اس نے اپنی بیوی کو لیمپ کا راز نہیں بتایا تھا۔ ایک دن جب الہ دین گھر پر نہیں تھا تو اسکی بیوی نے دیکھا کہ گلی میں ایک آدمی آواز لگاتا گزر رہا تھا ''پرانے لیمپ کے بدلے نئے لیمپ لے لو۔'' الہ دین کی بیوی نے اپنا پرانا لیمپ آواز لگانے والے کو دے دیا۔ لیمپ ہاتھ میں پکڑتے ہی اس آدمی نے اسے رگڑا......... اس لیمپ میں سے جن برآمد ہوا اور بولا ''کیا حکم ہے میرے آقا؟'' آدمی نے کہا آج سے میں تمہارا آقا ہوں تم صرف میرا حکم مانو گے۔ جلدی سے اس خوبصورت عورت کو محل سمیت اٹھا کر کہیں دور لے چلو۔'' جن محل اٹھا کر وہاں سے دور لے گیا۔





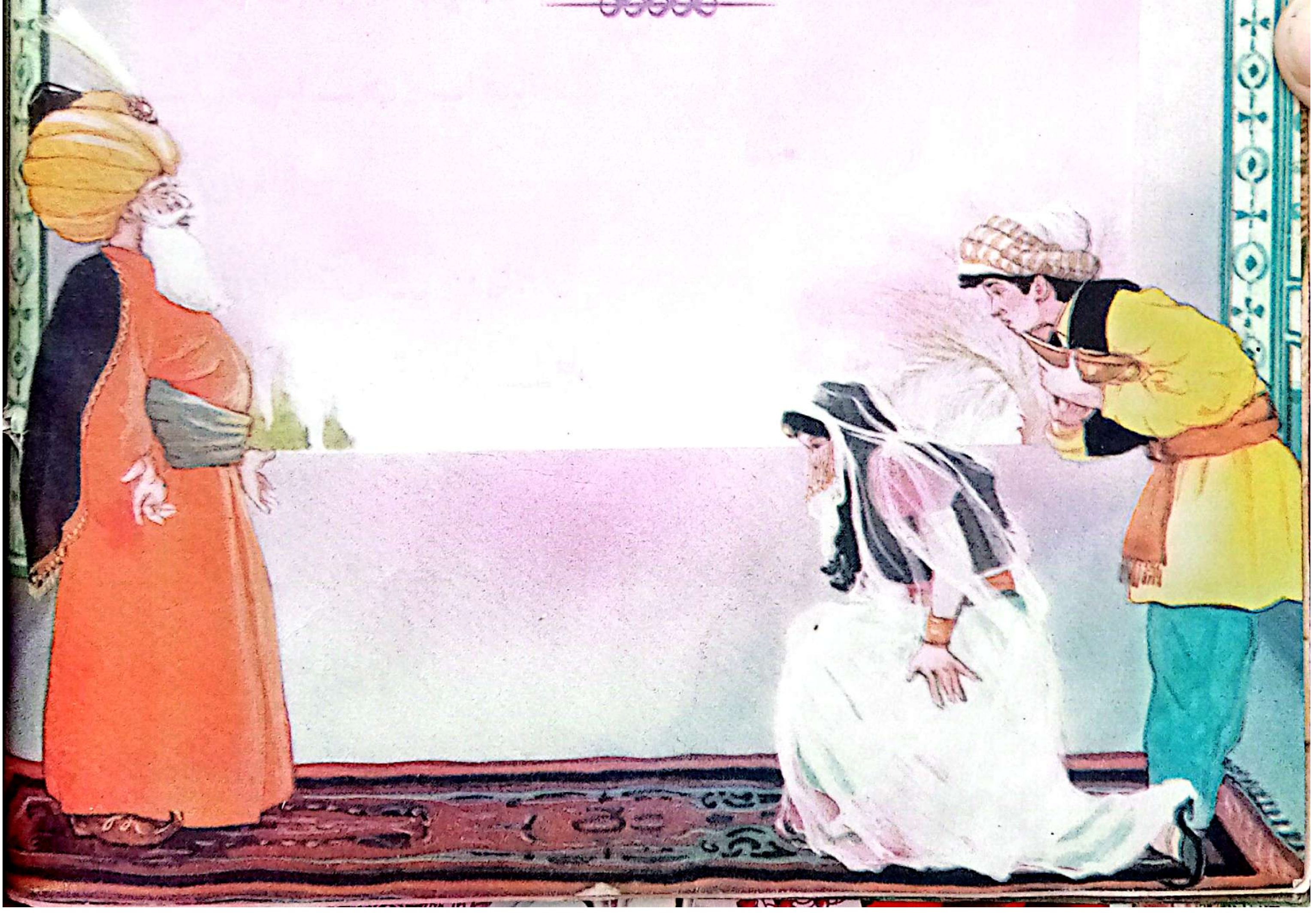
اللہ دین واپس آیا اس کا گھر اور بیوی دونوں غائب تھے۔ اللہ دین نے فوراً انگوٹھی کے جن کو بلایا اور حکم دیا کہ مجھے بیوی کے پاس لے چلو......... میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اللہ دین کی بات ختم ہوتے ہی اس نے دیکھا کہ وہ اپنے محل کے کچن میں اپنی بیوی کے سامنے کھڑا تھا۔ اللہ دین کی بیوی اس آدمی کے لیے کھانا تیار کر رہی تھی۔ وہ آدمی اصل میں وہی اجنبی تھا جس نے اللہ دین کو غار میں بند کر دیا تھا۔



اللہ دین نے محل میں جاتے ہی لیمپ اٹھایا اور اس کو رگڑ کر جن کو بلایا۔

اس جن کو کہا ''میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میرے محل کو اٹھا کر میرے شہر واپس لے چلو اور اس آدمی کو کہیں دور جنگل میں چھوڑ آؤ......... اور ہاں اس کام کے بعد تم آزاد ہو......... جہاں چاہو چلے جانا......... اس لیمپ سے

تمہارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔" جن نے پلک جھپکتے ہی الہ دین کے حکم کی تعمیل
کی اور غائب ہو گیا۔ الہ دین اپنے شہر واپس آ گیا تھا
اور پھر دونوں میاں بیوی ہنسی خوشی رہنے لگے۔



خوبصورت شہزادی اور پرندہ

کسی دور ملک میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس بادشاہ کی ایک بہت ہی خوبصورت بیٹی تھی۔ اس کا نام شہزادی جہاں آراء تھا۔ شہزادی جہاں آراء چھوٹی سی تھی کہ ملکہ کا انتقال ہوگیا۔ بادشاہ ہر وقت غمگین رہنے لگا۔ ایک دن وزیر نے بادشاہ سے کہا: ''جہاں پناہ..... ملکہ عالیہ کی وفات کے بعد آپ بہت غمگین ہوگئے ہیں۔ اور شہزادی جہاں آراء کو بھی دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ اس لیے آپ شادی کرلیں۔''





بادشاہ نے وزیر کے کہنے پر دوسری شادی کر لی۔ بادشاہ کی دوسری بیوی کا خاوند فوت ہو چکا تھا اور اس کی بھی ایک بیٹی تھی جس کا نام راحیلہ تھا۔ راحیلہ اور نئی ملکہ شہزادی جہاں آراء سے بہت حسد کرتی تھیں۔

ایک روز پڑوسی ملک کا شہزادہ حسن بادشاہ کے محل میں آیا تو شہزادی جہاں آراء کی خوبصورتی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے شہزادی جہاں آراء سے شادی کا فیصلہ کر لیا۔ راحیلہ کی امّی کو جب پتا چلا کہ شہزادہ حسن شہزادی جہاں آراء سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے یہ بات بہت بُری لگی۔ وہ چاہتی تھی کہ شہزادہ حسن راحیلہ سے شادی کرے۔

راحیلہ کی امّی نے شہزادہ حسن کو بلایا اور کہا: ''شہزادی جہاں آراء تم سے ملنا چاہتی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ شہزادے کو ایک کمرے میں لے گئی۔ کمرے میں روشنی بہت کم تھی۔ وہاں ایک کونے میں ایک لڑکی کھڑی



تھی اس نے کہا: ''آؤ..... آؤ شہزادے..... ہم تمھارا ہی انتظار کر رہے تھے۔'' شہزادہ حسن نے کہا: ''ہم خود تم سے ملنے کے لیے بے تاب تھے..... اب ہم جلد ہی تمھارے ساتھ شادی کرلیں گے۔''

جیسے ہی شہزادہ حسن نے شادی کا وعدہ کیا فوراً کمرے میں ایک پری ظاہر ہوئی اور بولی: ''شہزادے میں راحیلہ کی روحانی ماں ہوں۔ تم نے میرے سامنے اس سے شادی کا وعدہ کیا ہے۔ اب تمھیں اپنا وعدہ نبھانا ہوگا۔ شہزادہ حسن یہ سُن کر بہت حیران ہوا۔ کیونکہ کمرے میں روشنی کم ہونے کی وجہ سے وہ سمجھ ہی نہ سکا کہ جو لڑکی یہاں موجود ہے وہ شہزادی جہاں آراء نہیں بلکہ راحیلہ ہے۔





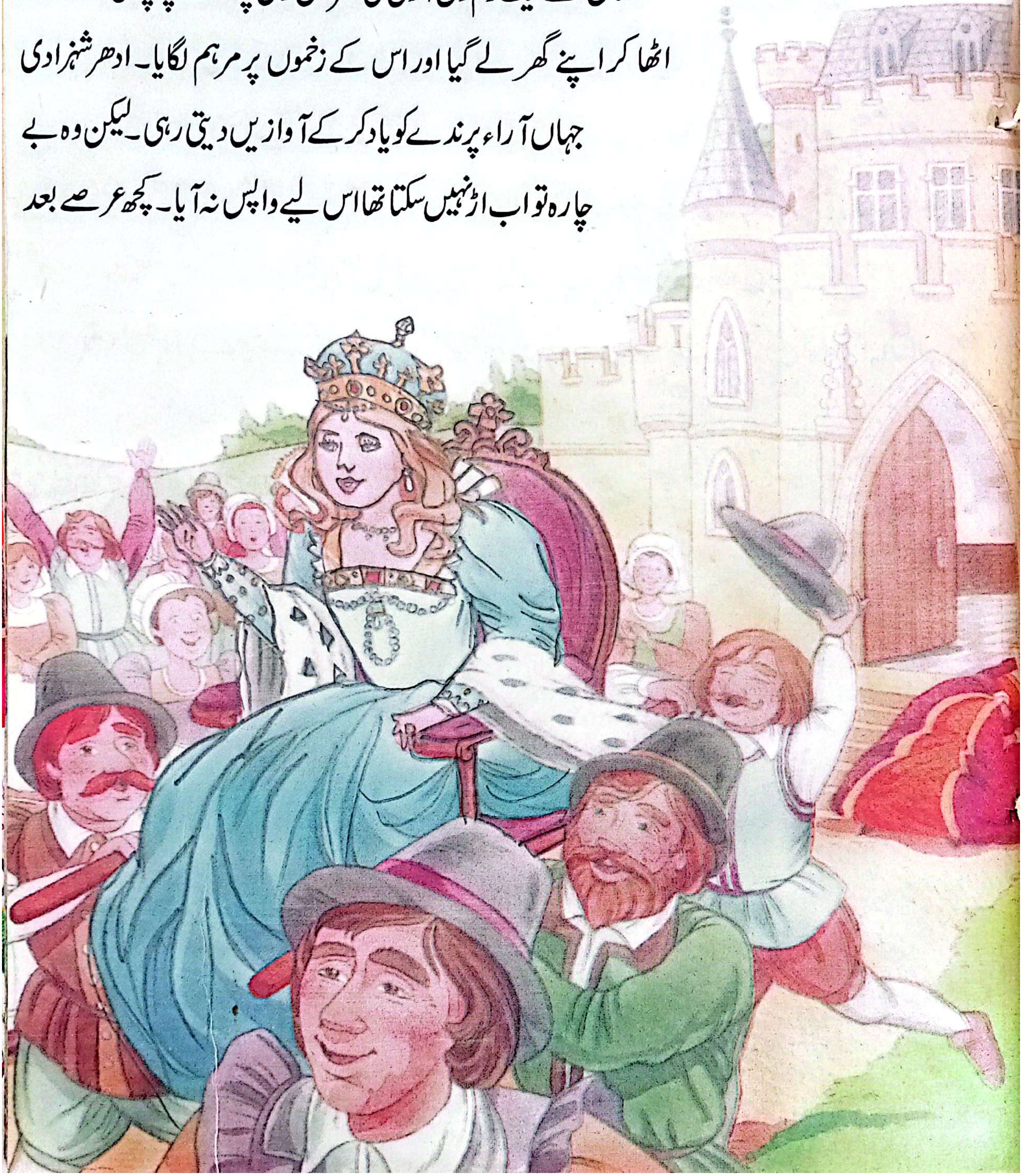
شہزادے نے کہا: ''نہیں یہ دھوکا ہے میں راحیلہ سے شادی نہیں کروں گا۔'' پری نے جادو کے ذریعے شہزادے کو ایک پرندے میں تبدیل کر دیا۔ اور کہا: ''یہ جادو اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک تم راحیلہ سے شادی کا فیصلہ نہیں کرو گے۔''

دوسری طرف نئی ملکہ نے شہزادی جہاں آراء کو محل کے ایک مینار میں بند کر دیا۔ شہزادی جہاں آراء سوچ رہی تھی کہ وہ اس مینار میں قید ہے اور شہزادہ حسن راحیلہ سے شادی کر لے گا۔ ایک روز مینار کے قریب درخت سے ایک پرندے نے پکارا: ''میں تمھارا شہزادہ ہوں۔'' شہزادی جہاں آراء پرندے کی آواز سُن کر حیران ہوگئی۔ پرندے نے اس کو تمام بات بتا دی۔

جب پری کو پتا چلا گیا کہ پرندہ مینار کے پاس درخت پر جا کر شہزادی جہاں آراء سے باتیں

کرتا ہے تو اس نے مینار کے چاروں طرف جال لگوا دیا رات کو جب پرندہ شہزادی کو ملنے آیا تو جالی سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا۔ اس کے پر ٹوٹ گئے اور وہ اُڑنے سے قاصر ہو گیا۔

اتفاق سے ایک رحم دل آدمی کی نظر اس زخمی پرندے پر پڑی تو وہ اسے اٹھا کر اپنے گھر لے گیا اور اس کے زخموں پر مرہم لگایا۔ ادھر شہزادی جہاں آراء پرندے کو یاد کر کے آوازیں دیتی رہی۔ لیکن وہ بے چارہ تو اب اڑ نہیں سکتا تھا اس لیے واپس نہ آیا۔ کچھ عرصے بعد



بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ نئی ملکہ نے حکومت کی باگ ڈور خود سنبھال لی لیکن بہت جلد رعایا اپنی ملکہ کے مظالم سے تنگ آ گئی اور انھوں نے بغاوت کر دی۔ ملکہ کو قیدی بنا لیا اور شہزادی جہاں آراء کو ملکہ بنا دیا گیا۔

ملکہ بننے پر شہزادی بہت خوش تھی۔ مگر وہ اب بھی اکثر پرندے کو یاد کر کے اداس ہو جایا کرتی تھی۔ اس نے پرندے کو تلاش کر کے لانے والے کے لیے انعام کا اعلان کروا دیا۔

پرندے کو جو آدمی اپنے گھر لے گیا تھا اُسے جب پتا چلا کہ یہ پرندہ درحقیقت شہزادہ ہے تو اس نے جادوگر پری کو تلاش کیا اور شہزادے کو اصلی صورت میں لانے کی درخواست کی۔ جادوگر پری نہ مانی اور کہا ''شہزادہ صرف اس صورت میں اپنی اصل شکل میں آئے گا جب وہ راحیلہ سے شادی کرے گا۔''

رحم دل آدمی نے پرندے کو مخاطب کیا ''خوبصورت پرندے تم راحیلہ سے شادی کر لو تاکہ انسان کی شکل میں واپس آ سکو۔'' مجبوراً اس نے حامی بھر لی۔

اس کے ساتھ ہی شہزادہ حسن اپنی اصل شکل میں آ گیا۔



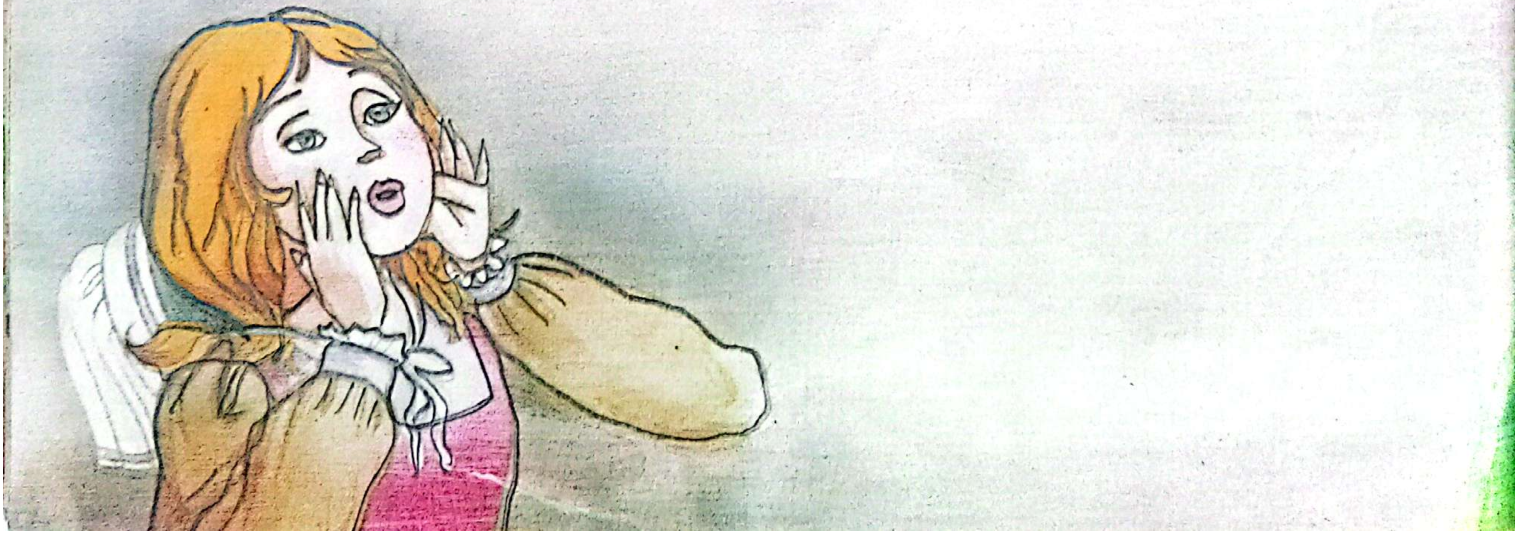


شہزادی جہاں آراء کو جب پتا چلا کہ شہزادہ حسن اپنی اصل شکل میں واپس آ گیا ہے اور راحیلہ سے شادی کر رہا ہے تو اس کو بہت افسوس ہوا۔ وہ شہزادے کے محل میں گئی اور اس کی ایک نوکرانی کو قیمتی تحفہ دے کر بولی میں ایک رات شہزادے کے ساتھ والے کمرے میں سونا چاہتی ہوں۔ تحفہ دیکھ کر نوکرانی کا دل للچا گیا اور اس نے شہزادی جہاں آراء کے رات گزارنے کا بندوبست کر دیا۔

رات کے وقت جب شہزادہ اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا تو اسے آواز آئی ''شہزادہ حسن! کیا تم مجھے بھول گئے ہو....... میں شہزادی جہاں آراء ہوں...... تم نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔''

شہزادہ حسن نے جب یہ الفاظ سنے تو وہ بھاگ کر اپنے کمرے سے باہر آیا۔ بھاگتے قدموں کی آواز سُن کر شہزادی جہاں آراء بھی کمرے سے باہر نکل آئی۔

جادوگر پری نے اپنے جادوئی شیشے میں شہزادہ حسن اور شہزادی جہاں آراء کو ملتے ہوئے دیکھا تو فوراً



محل کی طرف بھاگی۔ لیکن اس سے پہلے رحم دل آدمی اور ایک نیک پری محل میں پہنچ چکے تھے۔ نیک پری نے جادو سے راحیلہ کو ایک بدشکل مرغی میں تبدیل کر دیا اور اپنی موجودگی میں شہزادی جہاں آراء کی شادی شہزادے حسن سے کروادی۔ شہزادہ اور شہزادی کے ساتھ ساتھ ان کی رعایا بھی اس شادی پر بے حد خوشیاں منا رہے تھے۔



جنگلی راج ہنس

پیارے بچو! بہت دور ایک ملک میں بادشاہ اور اس کی ملکہ رہتے تھے۔ ان کے گیارہ بیٹے تھے۔ سب سے چھوٹی ایک بیٹی تھی۔ اس کا نام شہزادی زینب تھا۔ شہزادی زینب بہت ہی اچھی تھی وہ اپنے بھائیوں کو بہت پیار کرتی تھی۔



سب ہنسی خوشی رہ رہے تھے کہ ایک دن اچانک ملکہ کا انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بادشاہ نے دوسری شادی کرلی۔ نئی ملکہ بہت ظالم تھی اور وہ جادو بھی جانتی تھی۔ نئی ملکہ کو گیارہ شہزادوں اور



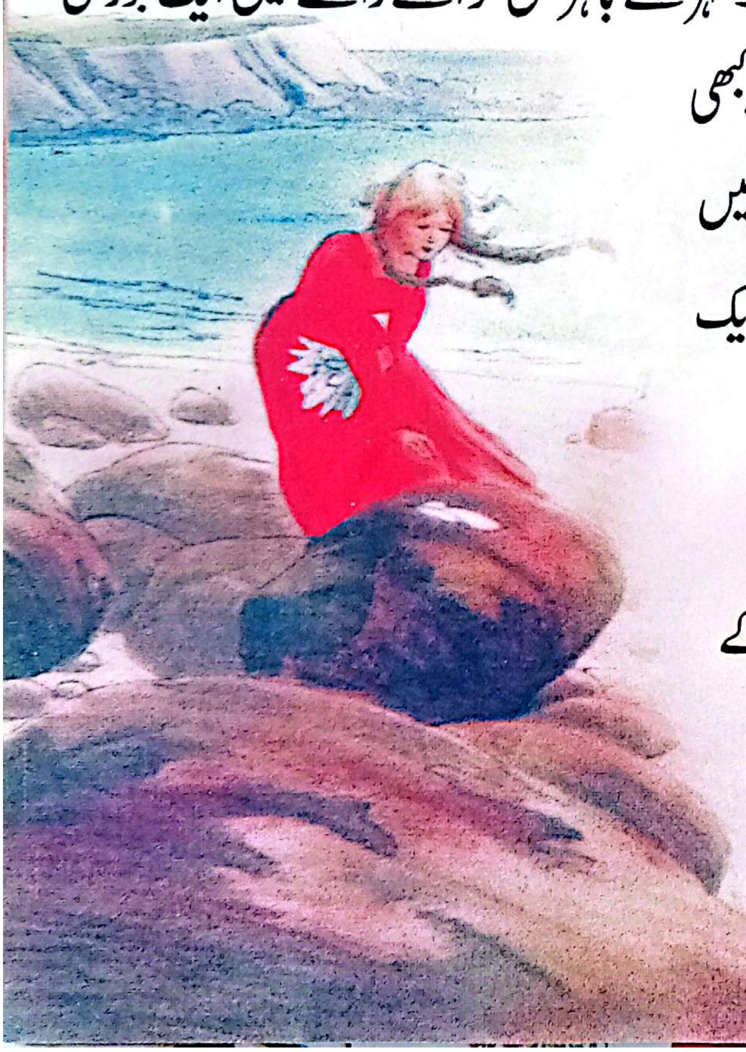
شہزادی زینب سے ذرا بھی انیست نہ ہوسکی۔ نئی ملکہ نے شہزادی زینب کو بہانے سے ایک دیہات میں بھجوا دیا اور وہ ہر وقت بادشاہ کو شہزادوں کے خلاف بھڑکاتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک روز بادشاہ نے شہزادوں کو بلایا اور کہا ''میں روز روز تمہاری شکایتیں سن کر تنگ آ گیا ہوں......... میں تم سب کو عاق کرتا ہوں........ آج کے بعد تم مجھے اپنی شکل بھی نہ دکھانا۔'' یہ سن کر شہزادے بہت افسردہ ہوئے لیکن اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی نئی ملکہ کی تسلی نہ ہوئی بلکہ اس نے جادو سے شہزادوں کو راج ہنس بنا دیا اور حکم دیا کہ یہاں سے دور چلے جاؤ۔

طویل عرصہ گزرنے کے بعد ایک دن بادشاہ کو شہزادی کی بہت زیادہ یاد آئی تو اس نے شہزادی زینب کو بلا بھیجا لیکن جب نئی ملکہ کو پتا چلا کہ بادشاہ شہزادی زینب کو ملنا چاہتا ہے تو اس نے اسے محل میں



آنے سے پہلے ہی پکڑ والیا اور اس کے چہرے پر عجیب وغریب نقش ونگار بنوا کر اس کا حلیہ اس قدر بگاڑ دیا کہ جب شہزادی زینب بادشاہ کے پاس گئی تو وہ شہزادی کو بالکل نہ پہچان سکا۔ بادشاہ نے اسے محل سے نکلوادیا۔

محل سے نکل کر شہزادی ایک طرف چل پڑی۔ شہر سے باہر نکل کر اسے راستے میں ایک بوڑھی عورت ملی۔ زینب نے اس عورت سے پوچھا ''کیا تم نے کبھی گیارہ شہزادوں کو دیکھا ہے۔'' عورت نے جواب دیا ''نہیں میں نے شہزادوں کو تو نہیں دیکھا لیکن یہاں سے کچھ دور ایک جنگل ہے۔ اس جنگل کے دوسری جانب سمندر ہے۔ سمندر کے ساحل پر میں نے گیارہ راج ہنس دیکھے ہیں۔ وہ اکثر شام سے کچھ پہلے وہاں آتے ہیں اور ان کے سر پر سونے کے تاج بھی ہیں۔'' شہزادی زینب سمجھ گئی کہ یہ راج ہنس درحقیقت اس کے بھائی ہیں۔ وہ عورت کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑی۔



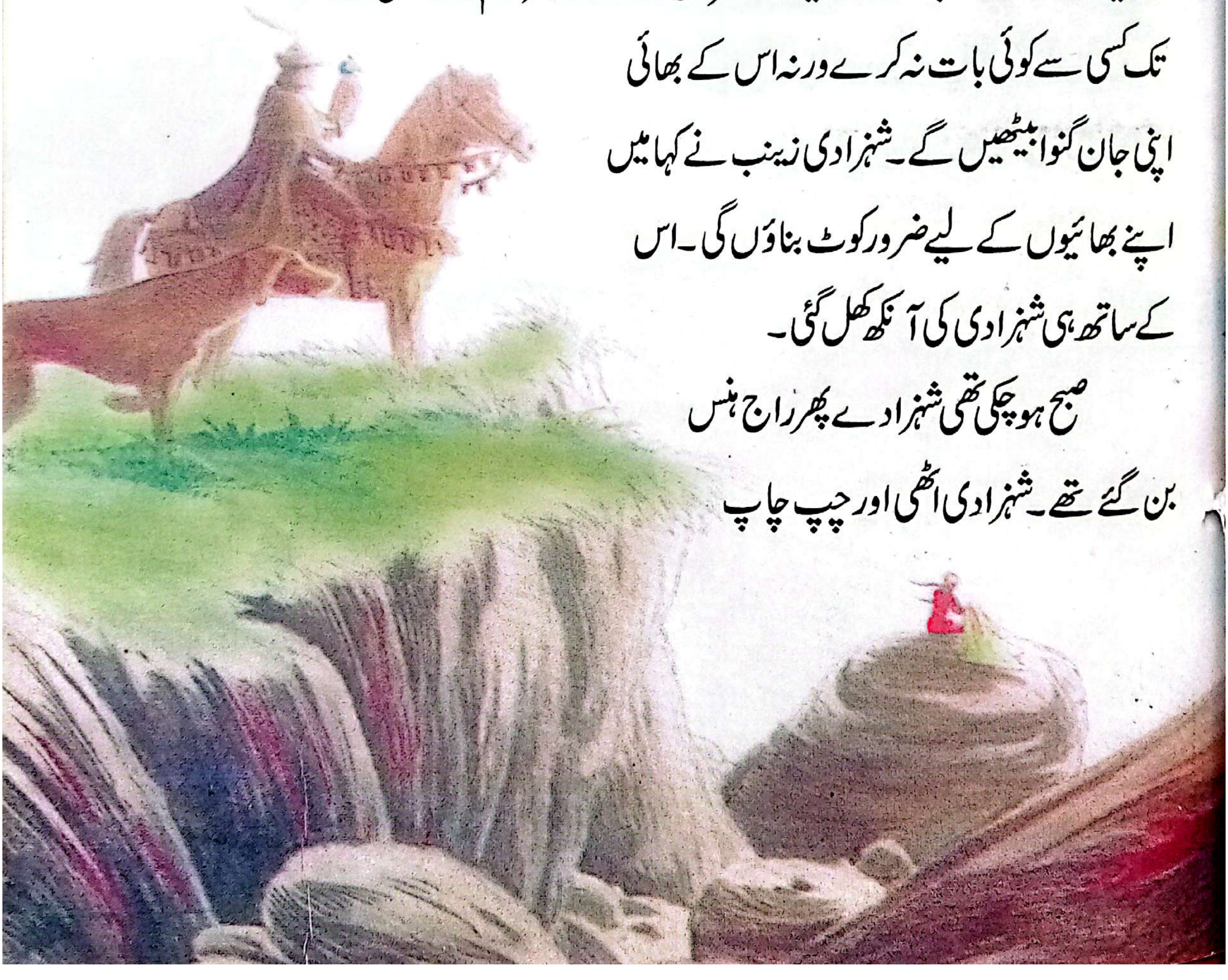
شہزادی زینب ساحل سمندر پر بیٹھ کر گیارہ راج ہنسوں کا انتظار کرنے لگی۔ آخر کار ایک طرف سے اسے گیارہ راج ہنس آتے نظر آئے۔ وہ سمندر کنارے اٹھکیلیاں کرنے لگے۔ جیسے ہی سورج غروب ہوا ایک تند و تیز ہوا کا جھونکا آیا شہزادی زینب نے اپنی آنکھیں موند لیں تا کہ ہوا سے ریت کا کوئی ذرہ ان میں نہ چلا جائے۔ ہوا بند ہونے پر جب اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہاں شہزادی زینب کے بھائی یعنی گیارہ شہزادے کھڑے تھے۔ شہزادے بھی اپنی بہن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ بڑے



بھائی نے اسے بتایا کہ شام ہوتے ہی وہ اپنی اصلی شکل میں آ جاتے ہیں جبکہ رات گزرنے کے بعد وہ پھر جادو کے زیر اثر راج ہنس بن جاتے ہیں۔

شہزادی زینب کافی دیر تک اپنے بھائیوں سے باتیں کرتی رہی اور پھر وہ سب ساحل سمندر کی ریت پر لیٹ کر سو گئے۔ رات کو سوتے ہوئے شہزادی نے خواب دیکھا کہ ایک خوبصورت پری اس کے پاس آئی اور کہنے لگی ''تم فکر نہ کرو........ میں تمہیں ایک طریقہ بتاتی ہوں اس پر عمل کر کے تم اپنے بھائیوں کو جادو کے اثر سے نجات دلا سکتی ہو۔'' پھر شہزادی زینب کے پوچھنے پر اچھی پری نے اسے بتایا کہ وہ قبرستان کے اندر اگنے والے ایک خاص پودے کے ریشوں سے اپنے بھائیوں کے لیے کوٹ تیار کرے اور خیال رکھے کہ جب وہ کوٹ تیار کرنا شروع کر دے تو پھر تمام کوٹ مکمل ہونے تک کسی سے کوئی بات نہ کرے ورنہ اس کے بھائی اپنی جان گنوا بیٹھیں گے۔ شہزادی زینب نے کہا میں اپنے بھائیوں کے لیے ضرور کوٹ بناؤں گی۔ اس کے ساتھ ہی شہزادی کی آنکھ کھل گئی۔

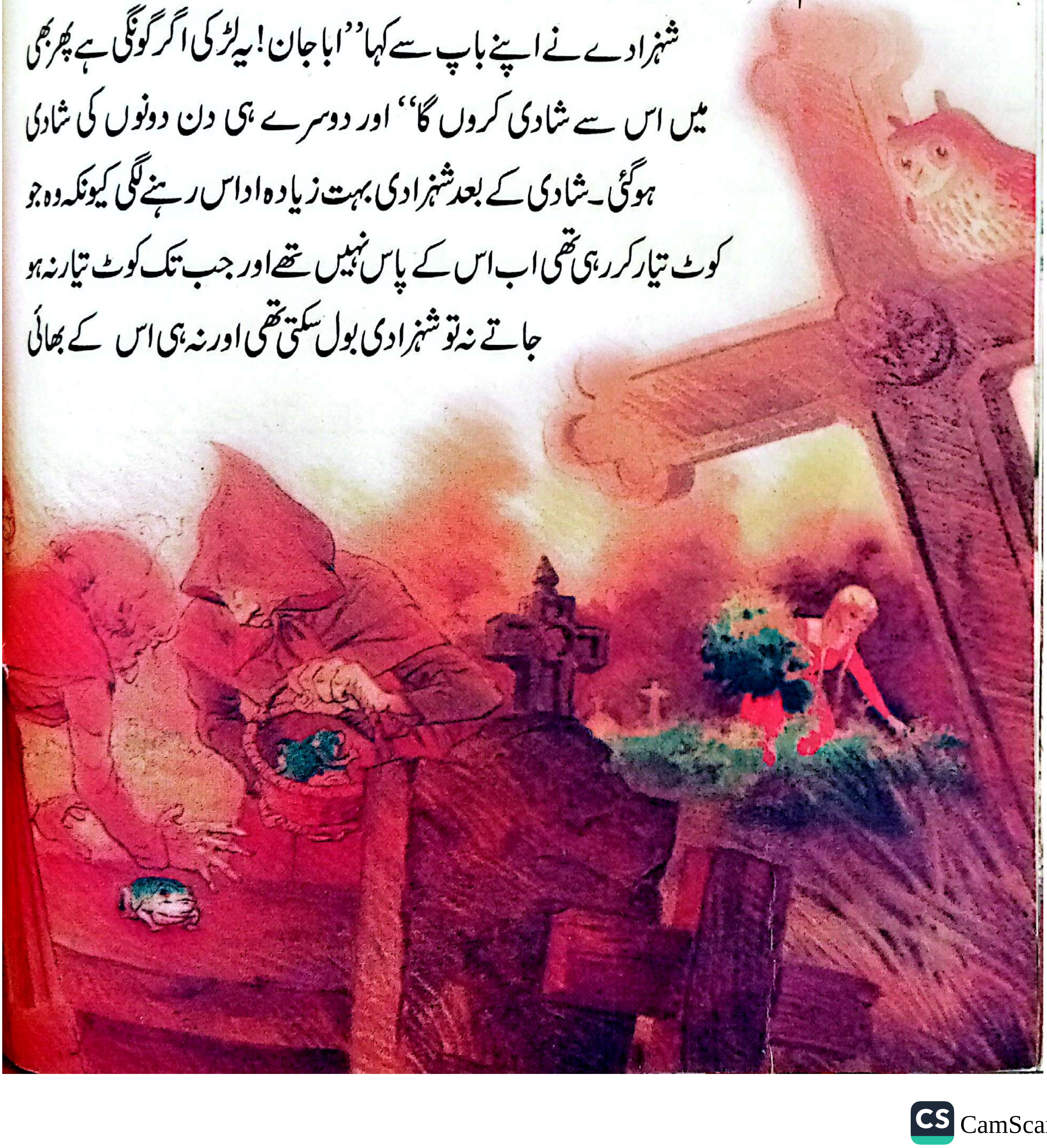
صبح ہو چکی تھی شہزادے پھر راج ہنس بن گئے تھے۔ شہزادی اٹھی اور چپ چاپ



قبرستان کی طرف چل دی۔ قبرستان سے اس نے اس خاص پودے کو تلاش کر کے اس کے ریشے جمع کیے اور
واپس اپنی جگہ آ کر شہزادوں کے لیے کوٹ تیار کرنے لگی۔

ایک دن وہ بیٹھی اپنے کام میں مگن تھی کہ قریبی ملک کا شہزادہ سیر کرتا ہوا اس طرف آ نکلا۔ اس نے شہزادی کو دیکھا تو اپنے مصاجوں کو کہنے لگا ''اس لڑکی کو محل لے چلو میں اس سے شادی کروں گا۔'' شہزادے کے ملازم لڑکی کو محل میں لے آئے۔ ان لوگوں نے شہزادی سے بہت سے سوال کئے لیکن وہ کچھ نہ بولی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اگر اس کی زبان سے ایک لفظ بھی ادا ہو گیا تو اس کے بھائی مر جائیں گے۔

شہزادے نے اپنے باپ سے کہا ''ابا جان! یہ لڑکی اگر گونگی ہے پھر بھی میں اس سے شادی کروں گا'' اور دوسرے ہی دن دونوں کی شادی ہو گئی۔ شادی کے بعد شہزادی بہت زیادہ اداس رہنے لگی کیونکہ وہ جو کوٹ تیار کر رہی تھی اب اس کے پاس نہیں تھے اور جب تک کوٹ تیار نہ ہو جاتے نہ تو شہزادی بول سکتی تھی اور نہ ہی اس کے بھائی





شہزادوں کے اوپر سے جادو ختم ہو سکتا تھا۔

سب لوگ شہزادی کو خوش رکھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ان کی تمام کوششیں رائیگاں تھیں۔ آخر ایک نوکر نے شہزادے سے کہا کہ اگر ہم اپنی نئی ملکہ کو وہ کوٹ دے دیں جو وہ تیار کر رہی تھیں تو شاید ان کی اداسی کچھ کم ہو سکے۔ نوکر کی تجویز سن کر شہزادے نے حکم دیا کہ وہ تمام اشیاء فوراً مہیا کی جائیں۔

شہزادی اپنی اشیاء پا کر کھل اٹھی اور اس نے ایک بار پھر کوٹ کی تیاری کا کام شروع کر دیا۔ جب خاص ریشے ختم ہو جاتے تو شہزادی چپکے سے قبرستان جاتی اور وہاں سے ریشے توڑ کر لے آتی۔ ایک دن شہزادے کو اس کے دوست نے کہا ''میرا خیال ہے تمہاری بیوی کوئی جادوگرنی ہے کیونکہ وہ اکثر رات کو قبرستان جاتی ہے۔'' شہزادے کو اپنے دوست کی بات کا یقین نہ آیا اور پھر ایک رات جب اس نے اپنی آنکھوں سے شہزادی کو قبرستان میں دیکھا تو حکم دیا کہ صبح ہوتے ہی اس کو سزائے موت دی جائے۔ شہزادی نے جب اپنی موت کا حکم سنا تو وہ اپنی صفائی میں کچھ نہ بول سکی کیونکہ ابھی اس کا کام مکمل نہیں ہوا تھا۔

شہزادی تمام رات روتی رہی اور جلدی جلدی کوٹ تیار کرتی رہی یہاں تک کہ صبح ہوگئی لیکن خوش قسمتی سے تمام کوٹ تیار ہو گئے تھے۔

صبح جب شہزادی کو پھانسی دینے کے لیے تختے پر لے کر گئے تو اچانک ایک طرف سے گیارہ راج ہنس اڑتے ہوئے آئے اور شہزادی کے گرد بیٹھ گئے۔ شہزادی نے کوٹ ان کی طرف پھینک دیئے اس کے ساتھ ہی جادو کا اثر ختم ہو گیا اور گیارہ شہزادے اپنی اصل شکل میں واپس آ گئے۔ تمام لوگ انہیں دیکھ کر حیران ہو گئے۔ شہزادی نے زبان کھولتے ہوئے ان کو ساری داستان سنا دی۔ شہزادہ اپنی بیوی کی زبانی ان کی کہانی سن کر بہت متاثر ہوا اور پھر وہ سب مل جل کر ہنسی خوشی رہنے لگے۔



لکڑہارا اور ٹھگنا لڑکا

کسی گاؤں میں ایک لکڑہارا رہتا تھا۔ اس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ ایک دن دونوں میاں بیوی بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ لکڑہارے کی بیوی نے کہا ''کاش! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایک بیٹا دے دے۔ خواہ وہ کسی بھی شکل صورت کا ہو۔ میں اس کی خوب اچھی طرح دیکھ بھال کروں گی۔''

اور پھر اللہ تعالیٰ نے لکڑہارے اور اس کی بیوی کو ایک بیٹا دیا۔ یہ لڑکا بہت ہی خوبصورت تھا لیکن اس میں ایک عجیب بات تھی وہ یہ کہ اس لڑکے کا قد بہت چھوٹا تھا۔ اتنا چھوٹا کہ مشکل سے کسی عام آدمی کے

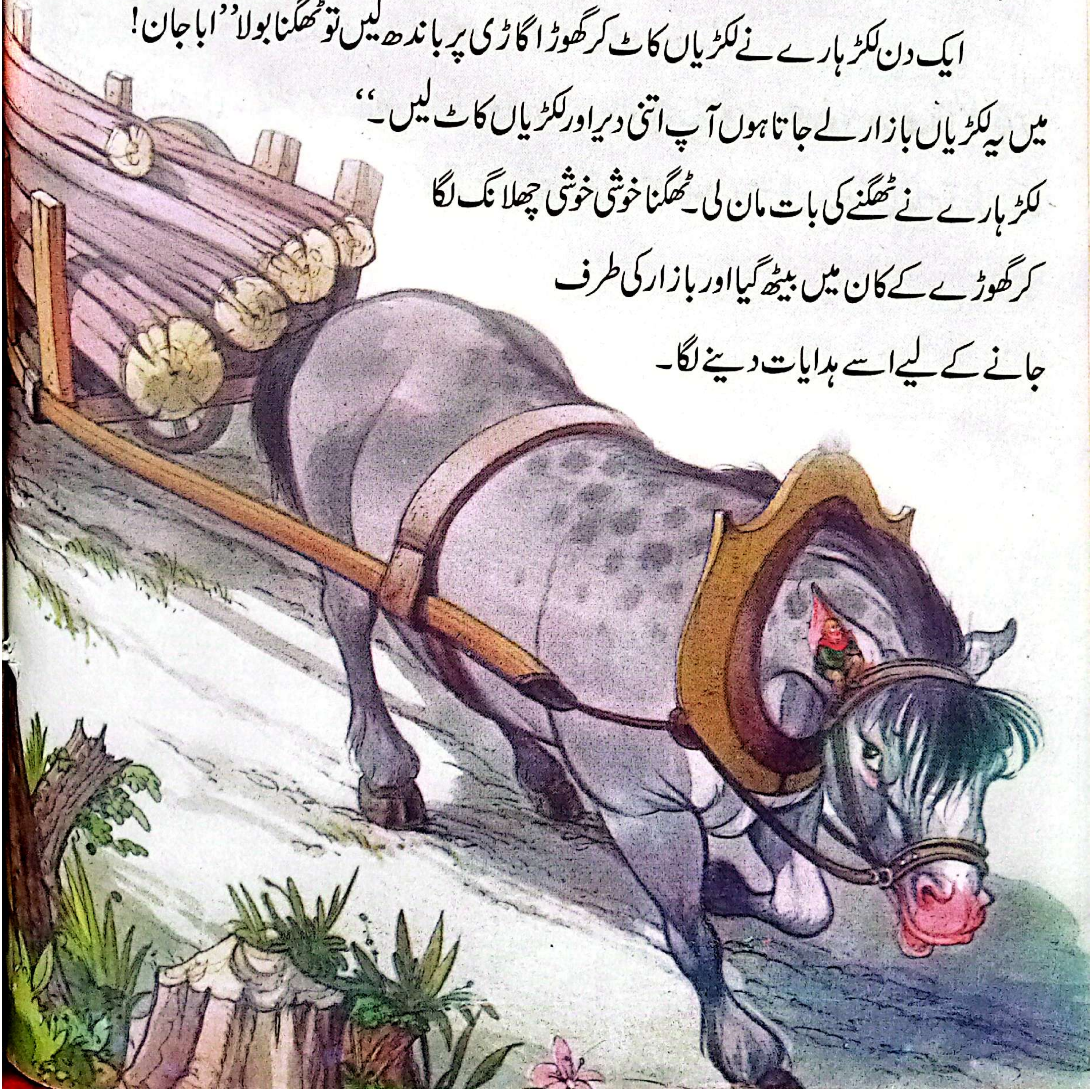


انگوٹھے جتنا۔ لکڑ ہارا اور اس کی بیوی اس پر بھی خوش تھے۔ انہوں نے اس کا چھوٹا قد دیکھتے ہوئے اس کا نام ٹھگنا رکھ دیا۔

پیارے بچو! عمر بڑھنے کے باوجود ٹھگنے کے قد پر کوئی خاص فرق نہ پڑا وہ پھر بھی ٹھگنا ہی رہا لیکن وہ تھا بہت ہی ہوشیار اور سمجھ دار۔ ٹھگنا جنگل میں لکڑ ہارے کے ساتھ جاتا اور جب تک لکڑ ہارا لکڑیاں کاٹتا وہ ادھر ادھر پھرتا رہتا۔

ایک دن لکڑ ہارے نے لکڑیاں کاٹ کر گھوڑا گاڑی پر باندھ لیں تو ٹھگنا بولا "ابا جان! میں یہ لکڑیاں بازار لے جاتا ہوں آپ اتنی دیر اور لکڑیاں کاٹ لیں۔"

لکڑ ہارے نے ٹھگنے کی بات مان لی۔ ٹھگنا خوشی خوشی چھلانگ لگا کر گھوڑے کے کان میں بیٹھ گیا اور بازار کی طرف جانے کے لیے اسے ہدایات دینے لگا۔

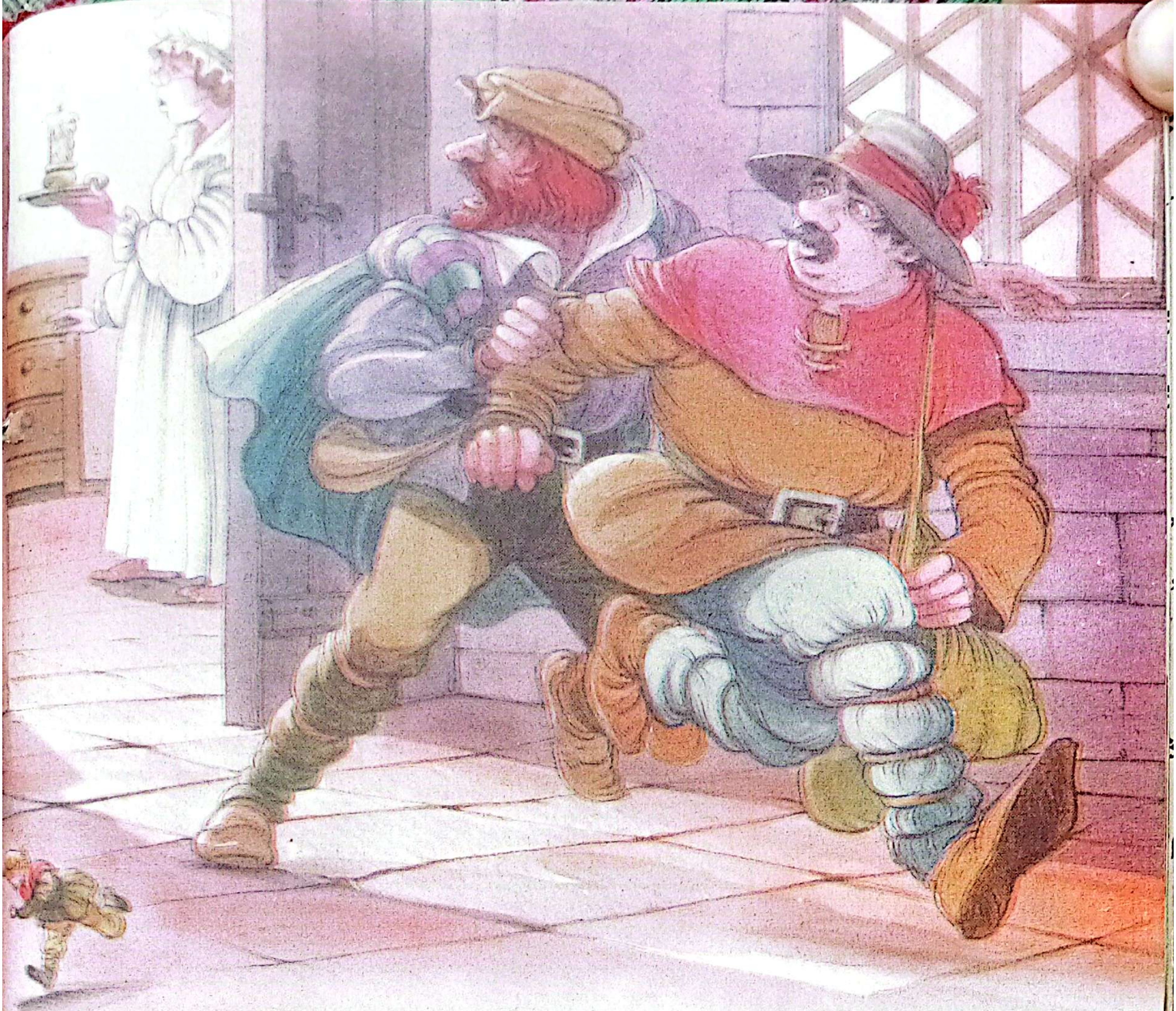




راستے میں دو دوستوں نے گھوڑا گاڑی کو جاتے دیکھا تو انہیں بہت تعجب ہوا کیونکہ گھوڑا گاڑی چلانے والا انہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دونوں گھوڑا گاڑی کا پیچھا کرنے لگے اور جب بازار پہنچ کر ٹھگنے نے گھوڑے کے کان سے چھلانگ لگائی تو وہ اور زیادہ حیران ہوئے۔

دونوں دوستوں نے مشورہ کیا کہ ہم اس ٹھگنے کی وجہ سے بہت دولت کما سکتے ہیں اور پھر وہ دونوں ٹھگنے کے پیچھے چلتے چلتے جنگل جا پہنچے۔ وہاں انہوں نے لکڑہارے سے کہا تم اپنا یہ ٹھگنا بیٹا ہمیں دے دو۔ ہم تمہیں اس کے بدلے اچھی رقم دیں گے۔ لکڑہارے نے انکار کر دیا۔ ٹھگنے نے لکڑہارے کے کندھے پر چڑھتے ہوئے اس کے کان میں کہا "ابا جان! آپ مجھے ان کے ساتھ بھیج دیں۔ فکر نہ کریں میں جلد ہی واپس گھر آ جاؤں گا۔" لکڑہارے نے رقم لی اور ٹھگنے کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔



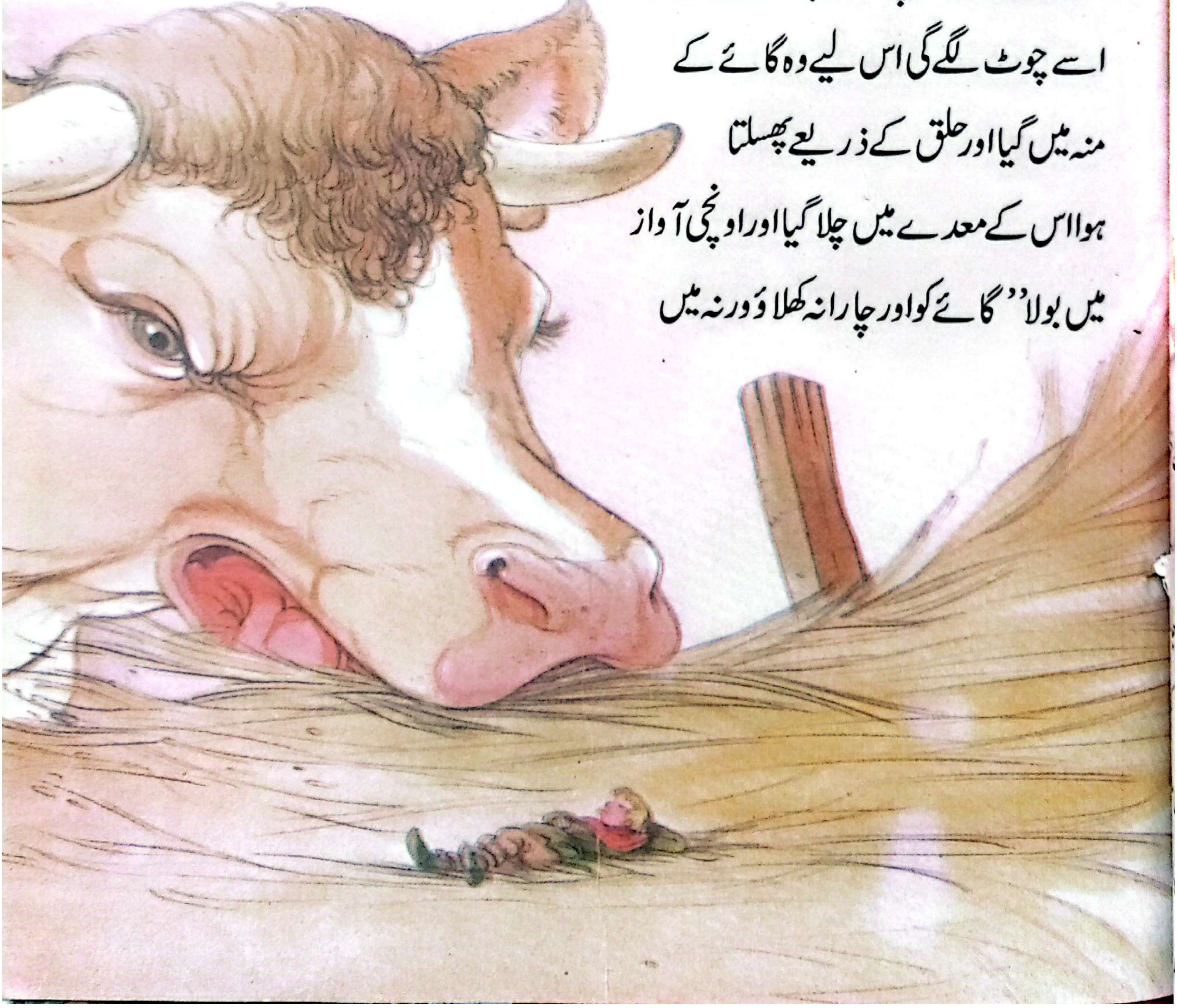


دونوں دوست ٹھگنے کو لے کر گھر آئے تو ٹھگنا کمرے کے ایک کونے میں پڑے گھونگھے کے خول میں جا کر چھپ گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے سنا دونوں دوست شہر کے ایک امیر آدمی کو لوٹنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ ٹھگنے نے کہا ''تم لوگ مجھے اپنے ساتھ لے چلو میں وہاں تمہاری مدد کروں گا۔'' دونوں دوست جاتے وقت ٹھگنے کو بھی ساتھ لے گئے۔ جب وہ لوگ امیر آدمی کے گھر پہنچے تو ٹھگنا چلا چلا کر پوچھنے لگا ''کیا تم یہاں سے تمام سامان لے جاؤ گے۔'' ٹھگنے کے چیخنے سے دونوں دوست پریشان ہو گئے اور اس کی منت سماجت کرنے لگے کہ زیادہ اونچا مت بولو لیکن ٹھگنے پر ان کی منتوں کا کوئی اثر نہ ہوا اس نے اور زیادہ اونچی آواز میں کہا ''میں پوچھتا ہوں کیا تم اس گھر کا سارا سامان لے جانا چاہتے ہو۔'' ٹھگنے کی آواز سن کر گھر میں

کام کرنے والی نوکرانی کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر اس کمرے کی طرف بڑھی تاکہ دیکھ سکے کمرے میں کون ہے۔ کسی کے آنے کی آہٹ پا کر دونوں دوست بھاگ کھڑے ہوئے۔ ٹھگنا بھی وہاں سے بھاگ آیا۔ نوکرانی نے اس آواز کو اپنا وہم سمجھا اور جا کر سو گئی۔

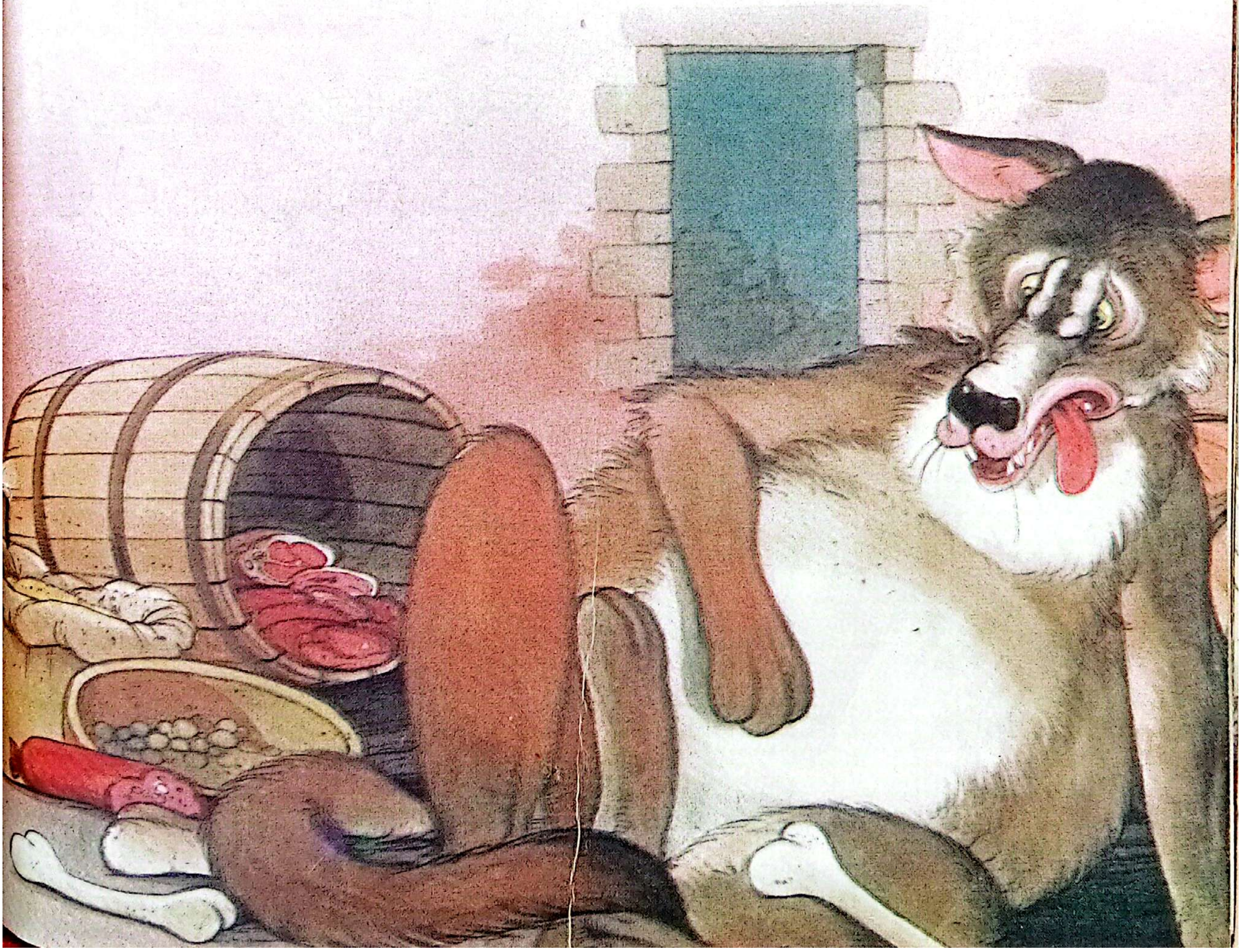
ٹھگنا وہاں سے نکل کر ایک طرف بنی گائے کی کوٹھڑی میں جا کر گھاس کے ڈھیر میں چھپ کر سو گیا۔

صبح نوکرانی نے آ کر گائے کو چارا ڈالا تو اس کے ساتھ ہی ٹھگنا بھی تھا۔ ٹھگنے کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ گھاس کے جس گٹھے پر وہ لیٹا تھا اس کو گائے نے اپنے منہ میں پکڑا ہوا تھا اور آہستہ آہستہ اس کو کھا رہی تھی۔ ٹھگنے نے سوچا اگر وہ چھلانگ لگائے گا تو گر کر اسے چوٹ لگے گی اس لیے وہ گائے کے منہ میں گیا اور حلق کے ذریعے پھسلتا ہوا اس کے معدے میں چلا گیا اور اونچی آواز میں بولا ”گائے کو اور چارا نہ کھلاؤ ورنہ میں



مر جاؤں گا۔ اندر بہت اندھیرا ہے۔'' نوکرانی نے آواز سنی تو اسے رات والا واقعہ بھی یاد آ گیا۔ وہ بھاگی بھاگی گھر کے مالک کے پاس گئی اور اسے ساری بات بتا دی۔ اس نے کہا ''نہیں گائے کیسے بول سکتی ہے....... یہ تمہارا وہم ہے۔'' نوکرانی کے اصرار پر امیر آدمی گائے کی کوٹھڑی میں آیا تو اس کو بھی ٹھگنے کی آواز سنائی دی۔ امیر آدمی نے ملازموں کو بلایا اور کہا گائے پاگل ہوگئی ہے یا پھر اس پر جن بھوت آ گئے ہیں اس کو فوراً مار دو۔ ملازموں نے گائے کو مار کر شہر سے دور پھینک دیا۔''

ایک بھیڑئے نے دیکھا کہ بہت موٹی گائے مری پڑی ہے تو اسنے اپنے آپ سے کہا آج تو خوب مزے کی دعوت ہوگی بہت بڑا شکار ہاتھ لگا ہے اور پھر گائے کو چیر پھاڑ کر کھا گیا۔ ٹھگنا گائے کے پیٹ سے بھیڑئے کے پیٹ میں چلا گیا۔ اس نے بھیڑئے سے کہا تمہیں شاید ابھی اور بھوک لگی ہے چلو میں تمہیں





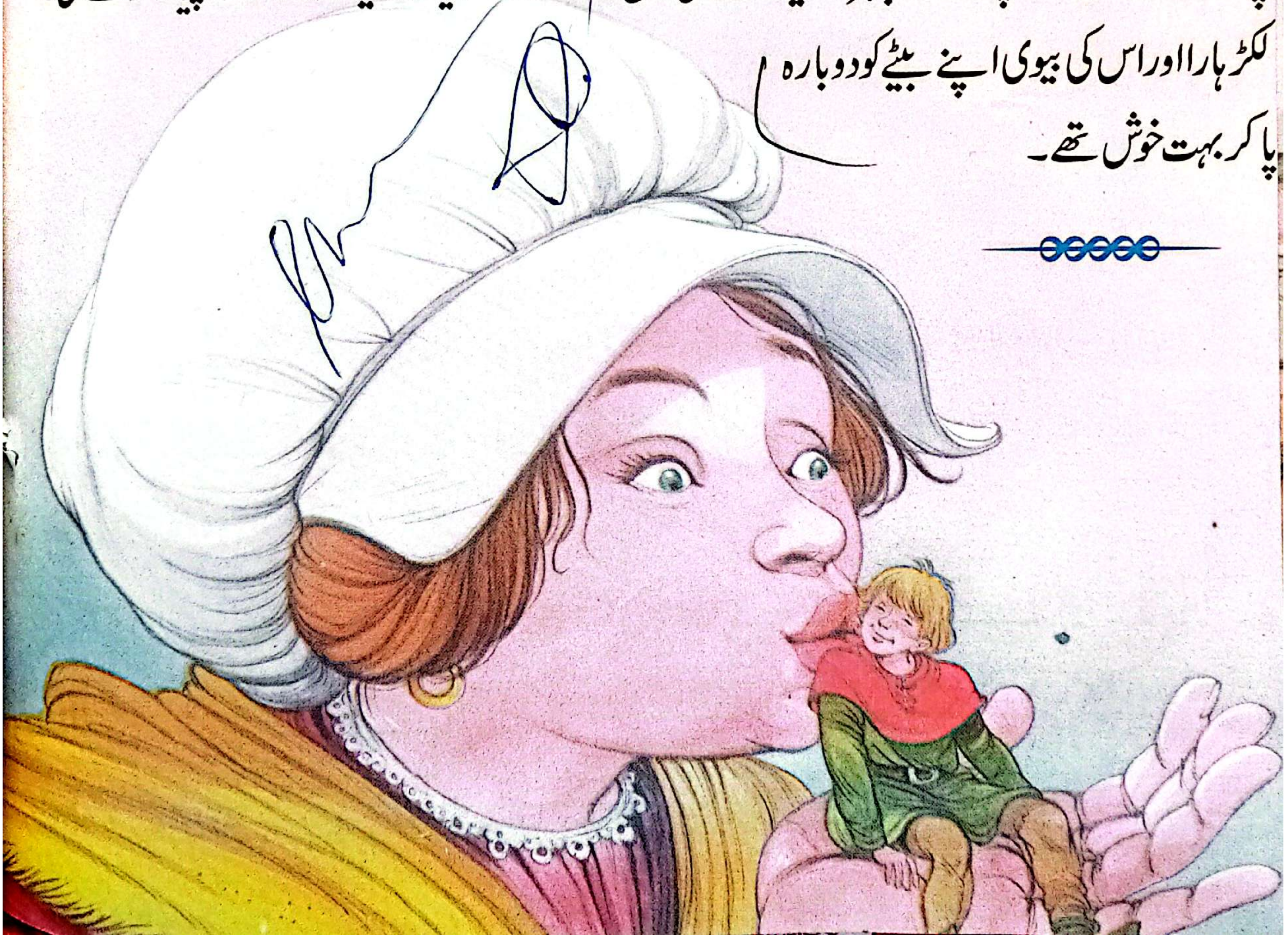
ایک گھر میں لے کر جاتا ہوں وہاں تمہیں کھانے کو بہت کچھ ملے گا۔ بھڑیا اپنے پیٹ میں سے آتی آواز سن کر بہت حیران ہوا۔ ٹھگنے نے اس کو بتایا میں گائے کے پیٹ میں تھا اور اب تمہارے پیٹ میں آ گیا ہوں۔

بھیڑیا ٹھگنے کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑا۔ ایک گھر میں پہنچ کر ٹھگنے نے بھیڑئے کو ان کے گودام کا دروازہ بتایا۔ گودام کے دروازے میں اندر جانے کا راستہ بہت ہی تنگ تھا لیکن بھیڑیا پھر بھی کسی نہ کسی طرح اندر داخل ہو گیا۔ گودام میں اس نے طرح طرح کی چیزیں دیکھیں اور خوب مزے لے لے کر کھانے لگا۔

بہت زیادہ کھانے کی وجہ سے اس کا پیٹ پھول گیا۔ اب اس کے لیے چلنا بھی مشکل تھا۔ جب وہ باہر نکلنے کے لیے گودام کے دروازے پر آیا تو وہاں سے باہر بھی نہ نکلا گیا۔ ٹھگنے نے بھیڑیے کے پیٹ میں اچھل کود شروع کر دی اور زور زور سے بولنے لگا۔ بھیڑیے نے کہا خاموش رہو کیا کرتے ہو سب لوگ جاگ جائیں گے۔ آواز سن کر لکڑ ہارا اور اس کی بیوی گودام میں آئے وہاں بھیڑیے کو دیکھ کر لکڑ ہارے نے اپنا کلہاڑا اٹھا لیا جبکہ اس نے بیوی نے کھرپا اٹھا لیا۔ لکڑ ہارے نے اپنی بیوی کو کہا دروازہ کھول کر میں بھیڑیے پر کلہاڑے سے وار کروں گا اگر وہ بچ جائے تو تم بھی اس پر کھرپے سے حملہ کر دینا۔ ٹھگنے نے اپنے والدین کی آواز سن کر کہا ''ابا جان! احتیاط سے کام لینا میں بھیڑیے کے پیٹ میں ہوں۔'' ٹھگنے کی آواز سن کر لکڑ ہارے نے بھیڑیے کے سر پر کلہاڑے کی زوردار ضرب لگائی۔ بھیڑیا فوراً گر کر مر گیا۔

لکڑ ہارے کی بیوی جلدی سے چھری لائی اور بڑی احتیاط سے بھیڑیے کا پیٹ چاک کر دیا۔ پیٹ چاک ہوتے ہی ٹھگنا پھدک کر باہر آ گیا۔ ٹھگنے کی ماں نے اسے اٹھایا اور دیوانہ وار اسے پیار کرنے لگی۔

لکڑ ہارا اور اس کی بیوی اپنے بیٹے کو دوبارہ پا کر بہت خوش تھے۔



فوجی سپاہی اور جادو کا ڈبہ

ایک فوجی جنگ کے محاذ سے اپنے گھر واپس جا رہا تھا۔ راستے میں ایک جنگل تھا۔ جنگل سے گزرتے ہوئے اس کو ایک بدصورت آدمی ملا۔ اس آدمی کا حلیہ بہت ہی عجیب تھا۔ اس نے فوجی کو روک کر کہا۔ اے اجنبی نوجوان مجھے تم بہت بہادر نظر آتے ہو اگر تم میرا ایک چھوٹا سا کام کر دو تو اس کے بدلے تمہیں بہت سی دولت مل سکتی ہے۔ فوجی نے کہا "اچھا مجھے کام بتاؤ اگر میں کر سکتا ہوا تو ضرور کروں گا۔" بدصورت آدمی بولا یہ جو برگد کا ایک پرانا سا درخت ہے اس کے اوپر تنے میں ایک سوراخ ہے۔ اگر تم کسی طرح اس میں داخل ہو جاؤ تو تمہیں اندر ایک کاریڈور نظر آئے گا۔ اس ریڈور کے آخر میں تین دروازے ہیں۔



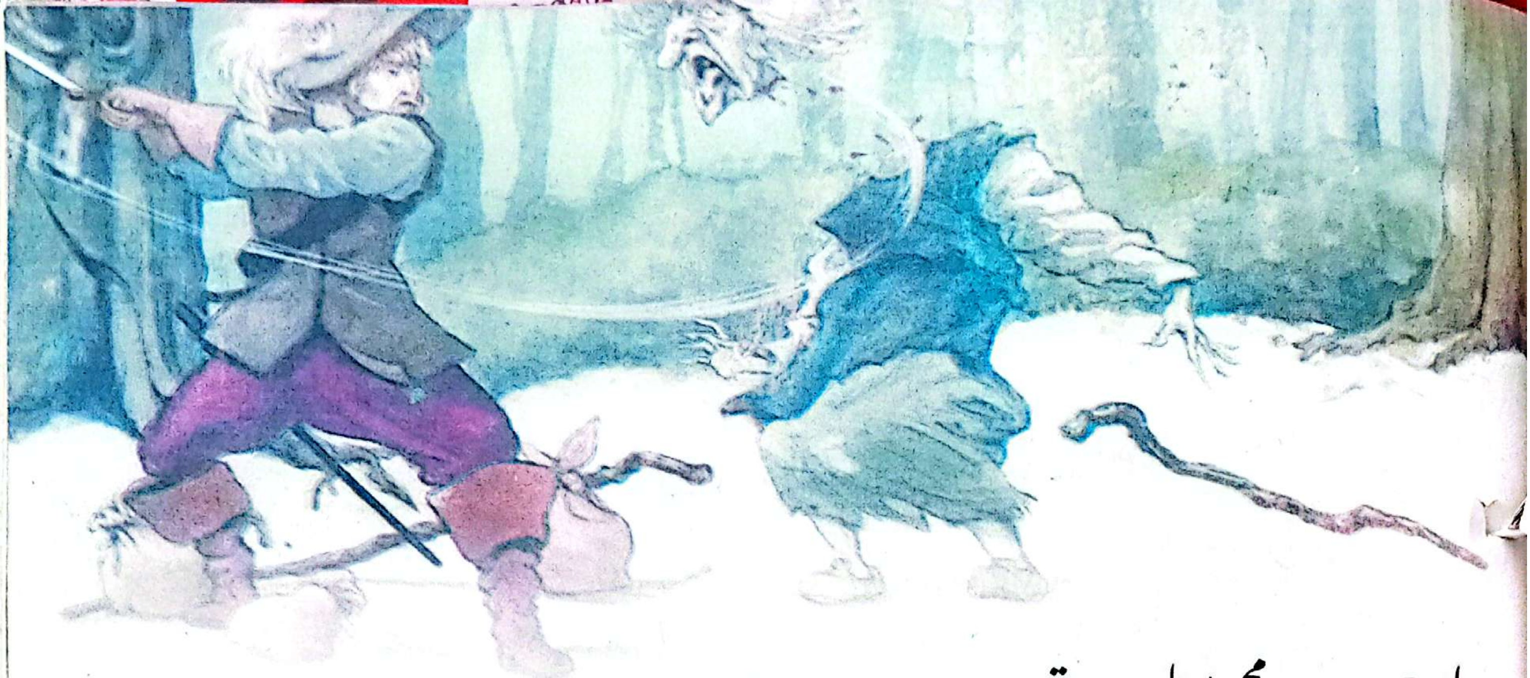
ان دروازوں کے اندر بے حساب دولت ہے۔ وہاں سے تم جتنی چاہو دولت لے سکتے ہو۔ وہاں ایک چھوٹا سا ڈبہ ہے مجھے صرف وہ ڈبہ دے دینا۔ مجھے دولت سے کوئی غرض نہیں۔

فوجی نے بدصورت آدمی سے کہا ''یہ تو بہت آسان کام ہے میں ابھی جا کر وہ ڈبہ اور دولت لے آتا ہوں۔'' بدصورت آدمی بولا ''نوجوان! سنو دروازوں پر خونخوار کتے بیٹھے ہوں گے۔ تم اگر ان سے پیار سے بات کرو گے تو وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔''

فوجی سپاہی درخت پر چڑھ گیا اور تنے میں موجود سوراخ تلاش کر کے اندر جانے کی کوشش کرنے لگا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ اندر جانے میں کامیاب ہو گیا۔

کاریڈور کے آخر میں اس نے دیکھا کہ تین دروازوں کے باہر تین خونخوار کتے بہت چوکس بیٹھے تھے۔ وہ آہستہ سے ایک کتے کے پاس گیا اور کہا ''تم تو بہت ہی اچھے ہو........ بالکل دوستوں کی

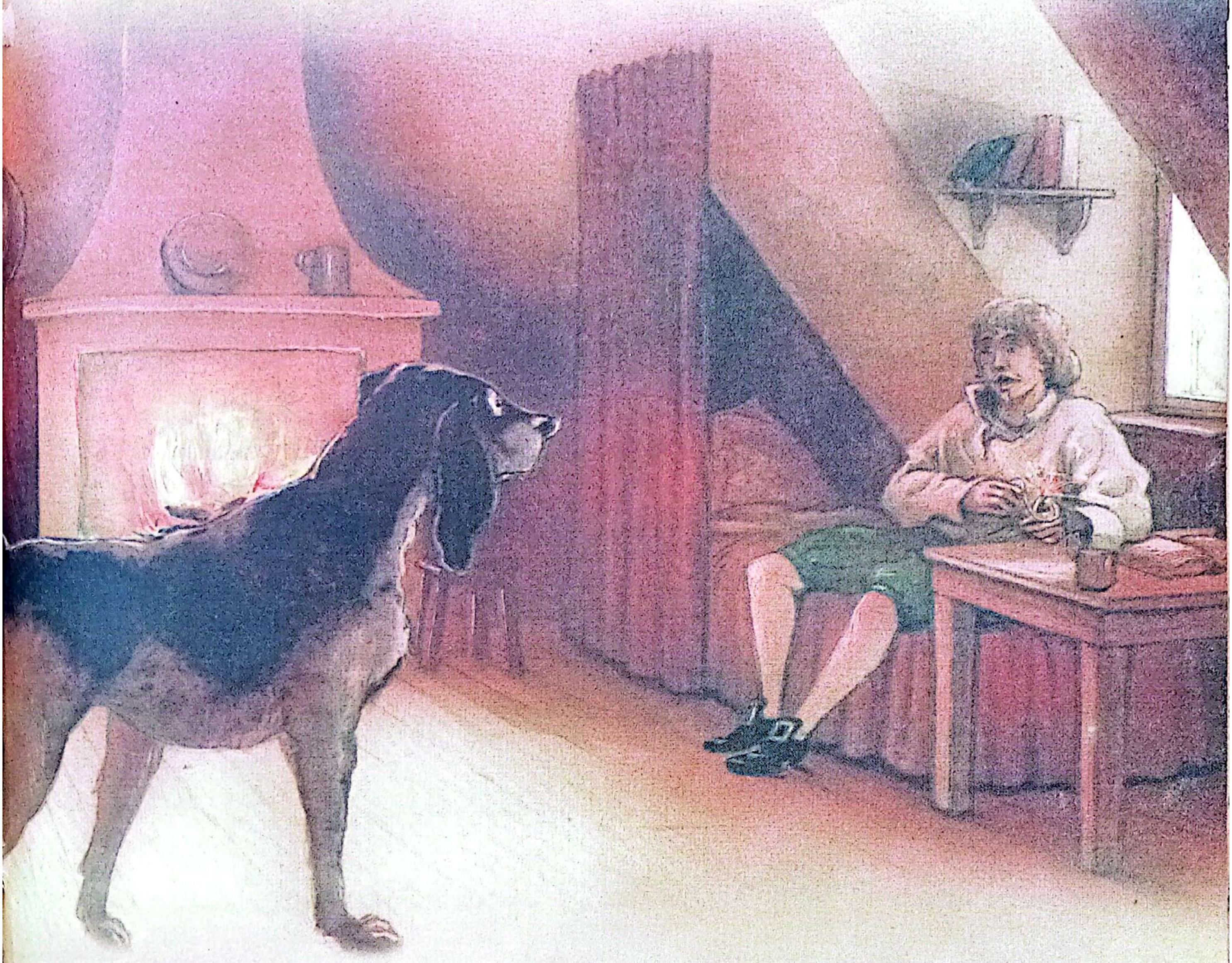




طرح........ مجھے معلوم ہے تم میرے دوست بنو گے۔'' کتا ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔فوجی سپاہی دروازے سے اندر گیا تو وہاں سلور کے سکوں کا بہت بڑا ڈھیر پڑا تھا۔فوجی نے اس ڈھیر میں سے سکے اٹھا کر اپنی جیب میں رکھے اور دوسرے کتے کے پاس آ گیا۔فوجی سپاہی نے دوسرے کتے کو پیار سے آواز دی اور پوچھا ''تمہارا کیا حال ہے؟'' کتے نے دم ہلاتے ہوئے دروازہ چھوڑ دیا۔فوجی سپاہی نے اندر جا کر دیکھا تو وہاں اس کو تانبے کے سکوں کا ڈھیر نظر آیا۔فوجی نے وہاں سے بھی سکے اٹھا کر اپنی دوسری جیب میں رکھ لیے۔اب وہ تیسرے دروازے پر آیا اور کتے کو مخاطب کرتے ہوئے بولا ''دیکھو تم بھی مجھ پر بالکل مت غرانا کیونکہ اپنے دونوں ساتھیوں کی طرح تم بھی بہت اچھے ہو۔'' اپنی تعریف سن کر تیسرے کتے نے بھی فوجی کو راستہ دے دیا۔اس نے اندر جا کر دیکھا تو وہاں سونے کے بے شمار سکے پڑے تھے اور قریب ہی ایک چھوٹا سا ڈبہ رکھا تھا۔فوجی سپاہی نے سکے اٹھا کر اپنی تیسری جیب میں رکھے اور چھوٹا ڈبہ ہاتھ میں پکڑ کر باہر آ گیا۔



فوجی سپاہی کی جیبیں سکوں کے وزن سے لٹکی ہوئی تھیں۔ وہ بڑی مشکل سے کاریڈور سے گزر کر تنے کے سوراخ تک پہنچا اور کافی تگ ودو کے بعد باہر نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ بدصورت آدمی نے اس کو دیکھتے ہی کہا ''یہ چھوٹا ڈبہ مجھے دے دو۔'' فوجی سپاہی نے کہا ''نہیں........ پہلے مجھے بتاؤ اس چھوٹے سے ڈبے میں ایسی کیا بات ہے کہ تم ساری دولت چھوڑ کر اسے حاصل کرنا چاہتے ہو؟''



بدصورت آدمی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس سے ڈبہ حاصل کرنے کے لیے جھگڑا شروع کر دیا۔ فوجی سپاہی نے اپنی نیام سے تلوار نکال کر اس کی گردن اڑا دی۔

فوجی سپاہی کے پاس سلور، تانبے اور سونے کے بہت سے سکے تھے۔ وہ اپنے گھر گیا اور عیش کی زندگی بسر کرنے لگا۔ وہ اپنے محلے کے غریب لوگوں کی اکثر مدد کرتا رہتا تھا۔ لوگ اس سے بہت خوش

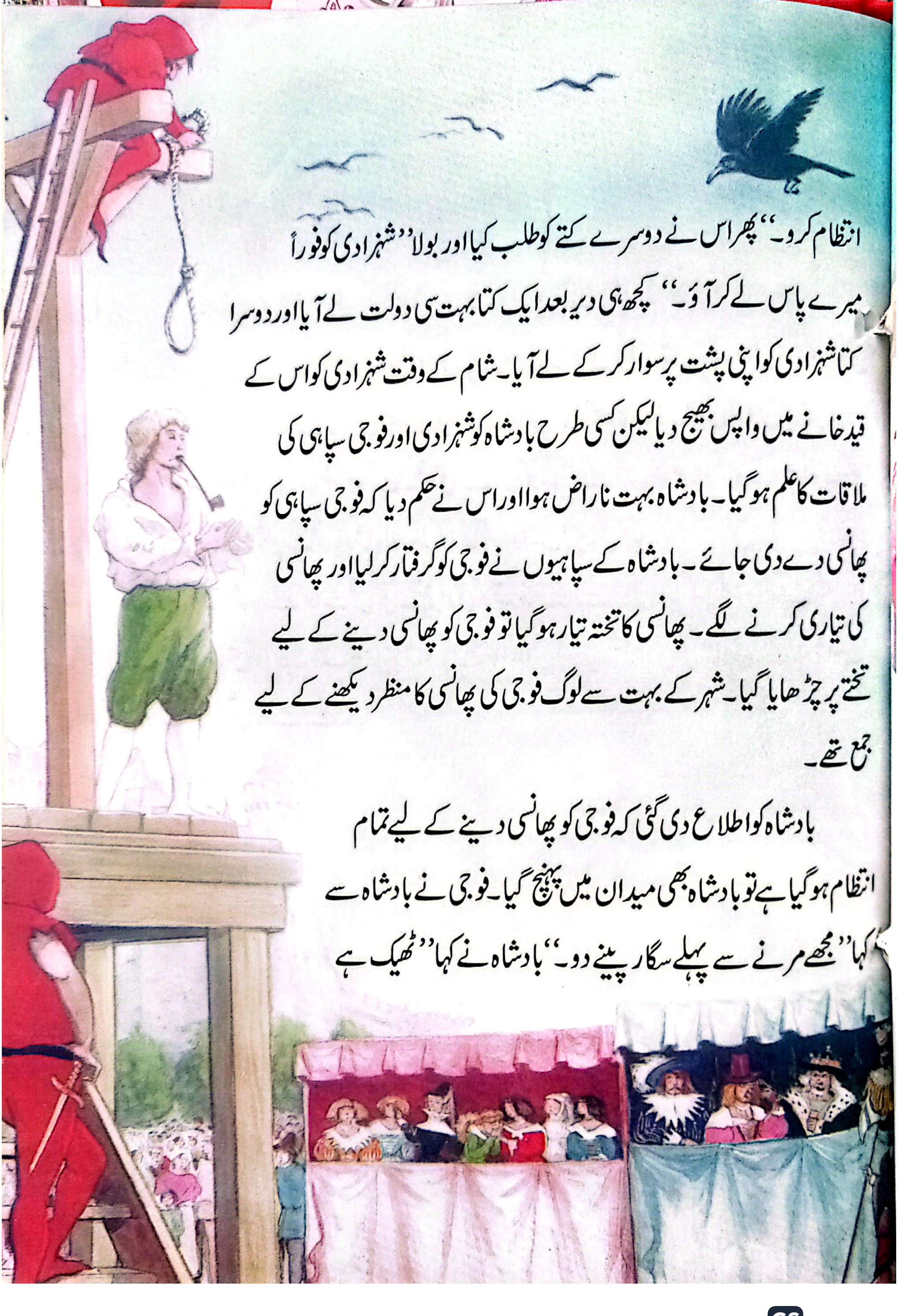
تھے۔ایک دن ایک آدمی نے فوجی سپاہی کو بتایا کہ اس ملک کے بادشاہ کی ایک بہت خوبصورت بیٹی ہے۔ اور بادشاہ نے اسے ایک بہت مضبوط قلعے میں قید کر رکھا ہے۔کسی کو بھی شہزادی سے ملنے کی اجازت نہیں کیونکہ ایک نجومی نے بادشاہ کو بتایا تھا کہ شہزادی بڑی ہو کر ایک بہت امیر فوجی سے شادی کرے گی اور یہ فوجی کوئی بہت بڑا افسر نہیں بلکہ عام سپاہی ہوگا۔



فوجی سپاہی یہ بات سن کر اداس ہو گیا کیونکہ فضول خرچی کرنے کی وجہ سے وہ اپنی تمام دولت خرچ کر بیٹھا تھا۔آخر ایک دن اس کے پاس کھانا کھانے کے لیے بھی پیسے نہ بچے تو اس کو پرانے ڈبے کا خیال آیا۔فوجی نے سوچا اس ڈبے کو فروخت کر کے کچھ پیسے مل جائیں تو کھانے کا انتظام ہو سکتا ہے۔اس نے ڈبہ اٹھایا اور اس کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔فوجی نے ڈبے پر گرد دیکھ کر اسے جھاڑنے کے لیے ہاتھ مارا تو

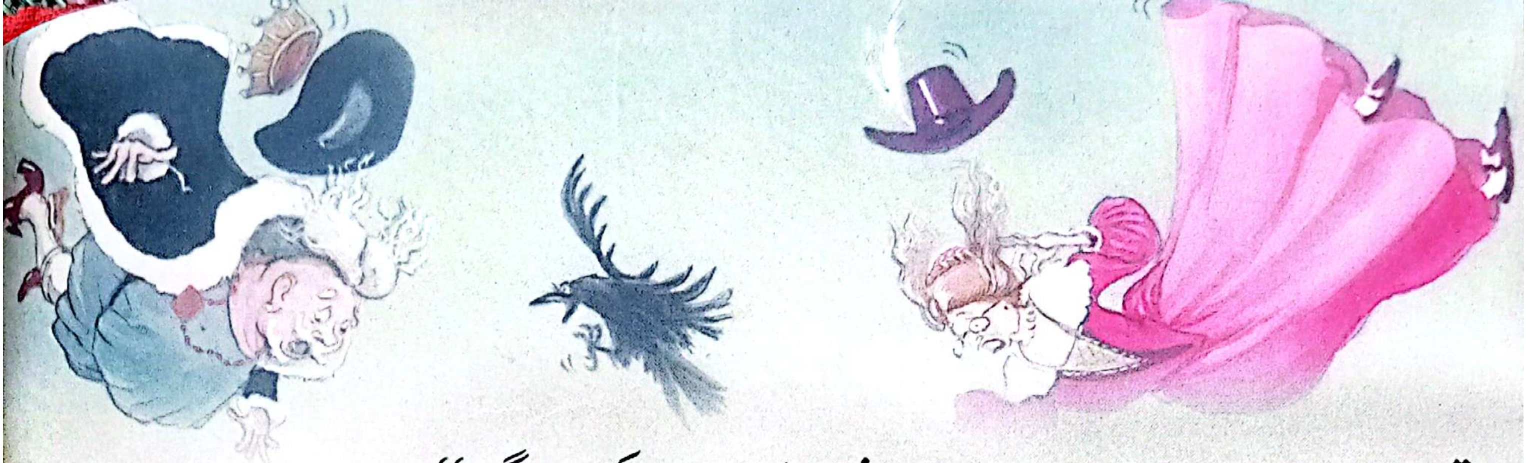


فوراً ایک کتا بھاگتا ہوا آیا اور بولا ''کیا حکم ہے میرے آقا؟'' فوجی سپاہی نے پوچھا کیا تم میرا ہر حکم مانو گے؟ کتے نے کہا ''ہاں میں اس ڈبے کی وجہ سے تمہارا ہر حکم ماننے کا پابند ہوں اور نہ صرف میں بلکہ اگر تم اس ڈبے پر دوسری مرتبہ ہاتھ مارو گے تو میرا دوسرا ساتھی بھی حاضر ہو جائے گا اور اسی طرح تیسری مرتبہ ہاتھ مارنے پر ہمارا تیسرا ساتھی بھی حاضر ہو کر تمہارا حکم ماننے کا پابند ہوگا۔'' فوجی سپاہی یہ سب سن کر بہت خوش ہوا۔ اب اسے ڈبے کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ فوجی سپاہی نے کتے کو کہا ''میرے لیے دولت کا



انتظام کرو۔'' پھر اس نے دوسرے کتے کو طلب کیا اور بولا ''شہزادی کو فوراً میرے پاس لے کر آؤ۔'' کچھ ہی دیر بعد ایک کتا بہت سی دولت لے آیا اور دوسرا کتا شہزادی کو اپنی پشت پر سوار کر کے لے آیا۔ شام کے وقت شہزادی کو اس کے قید خانے میں واپس بھیج دیا لیکن کسی طرح بادشاہ کو شہزادی اور فوجی سپاہی کی ملاقات کا علم ہو گیا۔ بادشاہ بہت ناراض ہوا اور اس نے حکم دیا کہ فوجی سپاہی کو پھانسی دے دی جائے۔ بادشاہ کے سپاہیوں نے فوجی کو گرفتار کر لیا اور پھانسی کی تیاری کرنے لگے۔ پھانسی کا تختہ تیار ہو گیا تو فوجی کو پھانسی دینے کے لیے تختے پر چڑھایا گیا۔ شہر کے بہت سے لوگ فوجی کی پھانسی کا منظر دیکھنے کے لیے جمع تھے۔

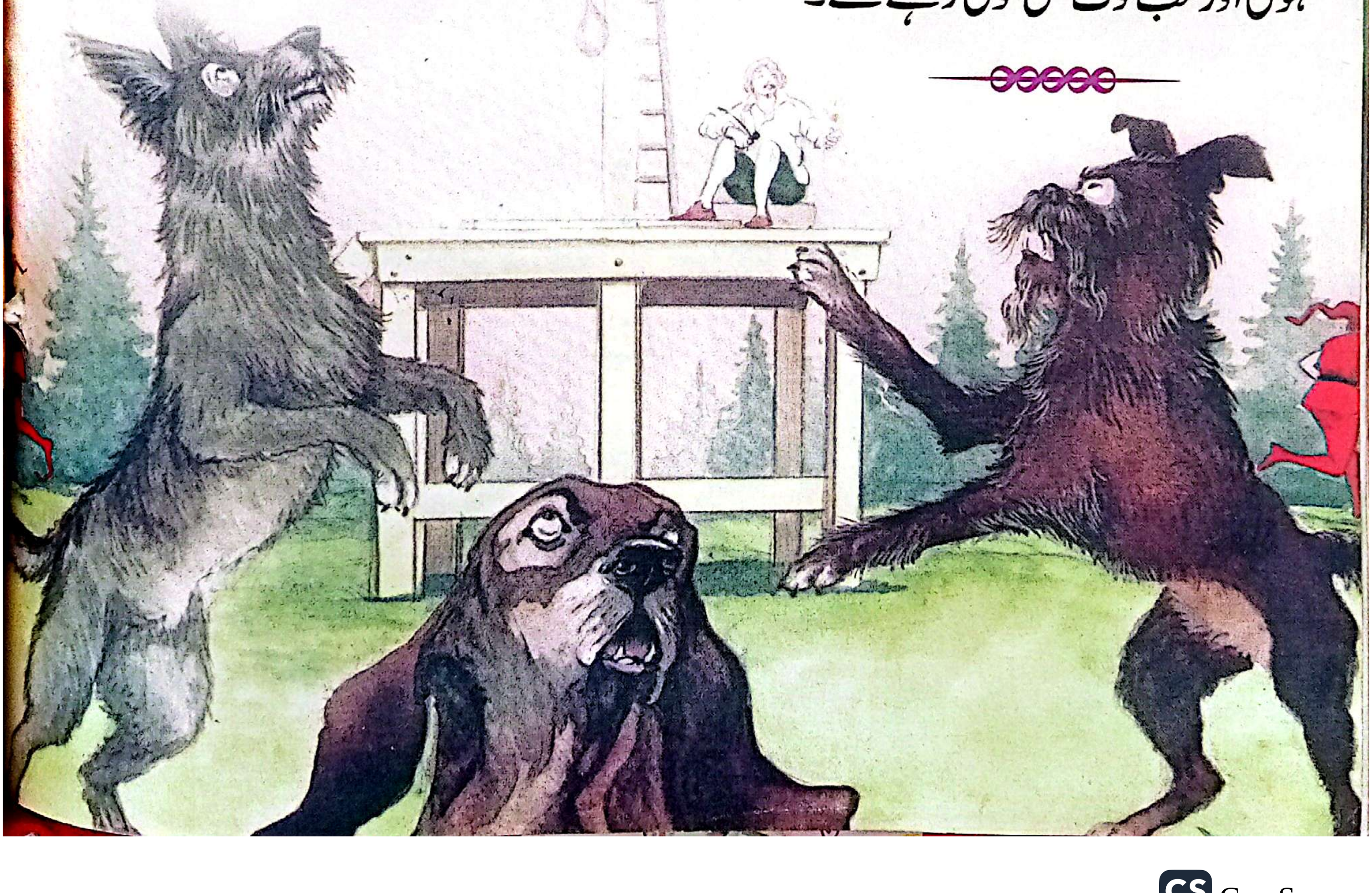
بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ فوجی کو پھانسی دینے کے لیے تمام انتظام ہو گیا ہے تو بادشاہ بھی میدان میں پہنچ گیا۔ فوجی نے بادشاہ سے کہا ''مجھے مرنے سے پہلے سگار پینے دو۔'' بادشاہ نے کہا ''ٹھیک ہے



تم سگار پی لو........ ہم تمہاری آخری خواہش کا ضرور احترام کریں گے۔"

بادشاہ کے سپاہیوں نے فوجی کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر سگار نکال کر منہ میں پکڑا اور دوسری جیب سے ماچس نکالنے کی بجائے اس نے چھوٹا سا ڈبہ نکال کر اس پر تین مرتبہ ہاتھ مارا فوراً ہی تینوں خونخوار کتے حاضر ہو گئے۔فوجی نے ان کو کہا " مجھے اس ظالم بادشاہ سے بچاؤ یہ مجھے مارنا چاہتا ہے۔" کتوں نے جھپٹ کر بادشاہ اور ملکہ کو اٹھا کر ہوا میں اچھال دیا۔

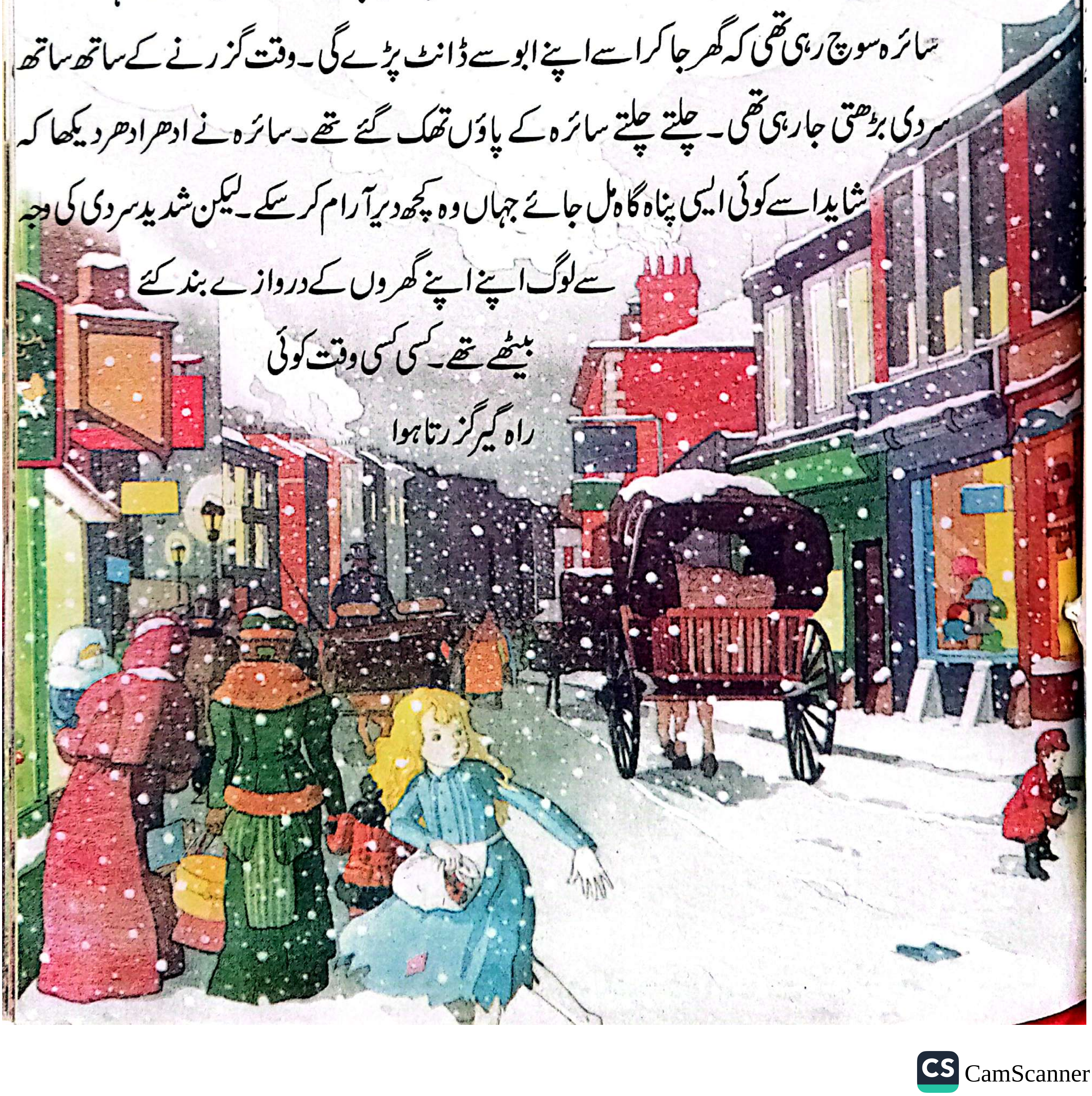
لوگوں کو ظالم بادشاہ سے نجات مل گئی۔شہزادی کو قید خانے سے نکال دیا گیا پھر دوسرے ہی دن سب لوگوں نے فوجی سپاہی کو اپنے ملک کا نیا بادشاہ بنانے کا اعلان کر دیا۔شہزادی کی شادی نئے بادشاہ سے ہو گئی اور سب لوگ ہنسی خوشی رہنے لگے۔



ماچس فروش لڑکی

سردیوں کے دن تھے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ شام کے وقت ایک چھوٹی سی بچی سائرہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ماچس کا بنڈل اٹھائے پھر رہی تھی۔ سارا دن گزرنے کے باوجود کسی نے اس سے ایک ماچس بھی نہیں خریدی تھی۔ سائرہ بہت سہمی ہوئی تھی۔ اسے گھر واپس جاتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا۔

سائرہ سوچ رہی تھی کہ گھر جا کر اسے اپنے ابو سے ڈانٹ پڑے گی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ چلتے چلتے سائرہ کے پاؤں تھک گئے تھے۔ سائرہ نے ادھر ادھر دیکھا کہ شاید اسے کوئی ایسی پناہ گاہ مل جائے جہاں وہ کچھ دیر آرام کر سکے۔ لیکن شدید سردی کی وجہ سے لوگ اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کیے بیٹھے تھے۔ کسی کسی وقت کوئی راہ گیر گزرتا ہوا





نظر آ رہا تھا۔ سائرہ گلی میں ایک مکان کی دیوار کے ساتھ بیٹھ گئی۔

کالے بادلوں نے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد برف باری شروع ہو گئی۔ برف کے گالے سائرہ کے سنہری بالوں اور کپڑوں پر بھی گرنے لگے۔ اب سائرہ کو سردی کا اور زیادہ احساس ہونے لگا۔ سائرہ کا جسم سردی کی وجہ سے کانپنے لگا تھا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں سردی کی شدت کی وجہ سے نیلی ہو گئیں تھیں۔ سائرہ کا سارا جسم آہستہ آہستہ سن ہوتا جا رہا تھا۔

اس نے سوچا ماچس کی ایک تیلی جلا کر اپنے آپ کو کچھ گرم کر لے اور پھر جیسے ہی سائرہ نے ماچس کی تیلی جلائی۔ ایک چھوٹا سا شعلہ نکلا۔ ماچس کے شعلے میں اگرچہ تپش تو نہیں تھی

لیکن سائرہ کے ذہن نے یہی محسوس کیا کہ وہ آگ کے الاؤ کے پاس بیٹھی ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی سائرہ کو لگا جیسے سردی کچھ کم ہوگئی ہے۔ چند لمحوں بعد ہی ماچس کی تیلی بجھ گئی تو سائرہ خیالوں کی دنیا سے باہر نکل آئی۔

کچھ دیر بعد سائرہ نے ایک اور ماچس کی تیلی جلائی۔ اس مرتبہ سائرہ تصورات کی دنیا میں کچھ دور اور آگے نکل گئی۔ اسے ایسا لگا کہ وہ ایک خوبصورت گھر میں موجود ہے۔ گھر کو بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ وہ بڑے شوق سے گھر کو دیکھتی پھر رہی تھی۔ ایک کمرے میں کرسمس کا درخت رکھا تھا اسے بھی بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ کرسمس کا درخت دیکھ کر سائرہ اداس ہوگئی۔ وہ سوچنے لگی کل کرسمس ہے سب بچے اچھے اچھے کپڑے پہنیں گے۔ اپنے والدین کے ساتھ سیر تفریح کے لئے جائیں گے۔ لیکن اس کے پاس تو اچھے کپڑے بھی نہیں تھے۔ اس کے ابو اسے کہیں سیر کے لئے بھی نہیں لے کر جاتے تھے۔ اور اس کی امی تو اس دنیا میں تھی ہی نہیں۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے سائرہ ایک اور کمرے میں آ گئی وہاں میز پر گرم گرم کھانا رکھا ہے۔ بھنے ہوئے مرغ کی خوشبو اسے بالکل اپنے پاس سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ کھانے کی خوشبو کے ساتھ ہی



سائرہ کی بھوک چمک اٹھی۔ اسے یاد آیا کہ آج اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ غیر اختیاری طور پر وہ کھانے کی میز کی طرف بڑھنے ہی لگی تھی کہ ماچس کی تیلی بجھ گئی اور وہ ایک مرتبہ پھر حقیقت کی دنیا میں واپس آ گئی۔ سائرہ کو گلی میں بیٹھے کافی دیر ہو چکی تھی۔ سردی سے اس کا برا حال تھا۔ اگرچہ برف باری اب رک گئی تھی لیکن پھر بھی سردی کی شدت میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ سائرہ نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں۔ وہاں بہت سے ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ چاند اپنی مدھم روشنی بکھیر رہا تھا۔ آسمان پر ستاروں کی جھلملاہٹ اور



چاند کی مدھم روشنی کا منظر بہت ہی پر کیف تھا لیکن اس وقت سائرہ کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

اچانک سائرہ نے دیکھا کہ ایک شہاب ثاقب آسمان سے ٹوٹ کر زمین کی طرف آنے لگا۔ شہاب ثاقب کو زمین کی طرف گرتا دیکھ کر سائرہ کو اپنی دادی امی یاد آ گئیں۔ سائرہ کی دادی اس کو بہت پیار کرتی تھیں۔ انہوں نے اسے بتایا تھا کہ جب کوئی شہاب ثاقب گرتا ہے تو زمین پر



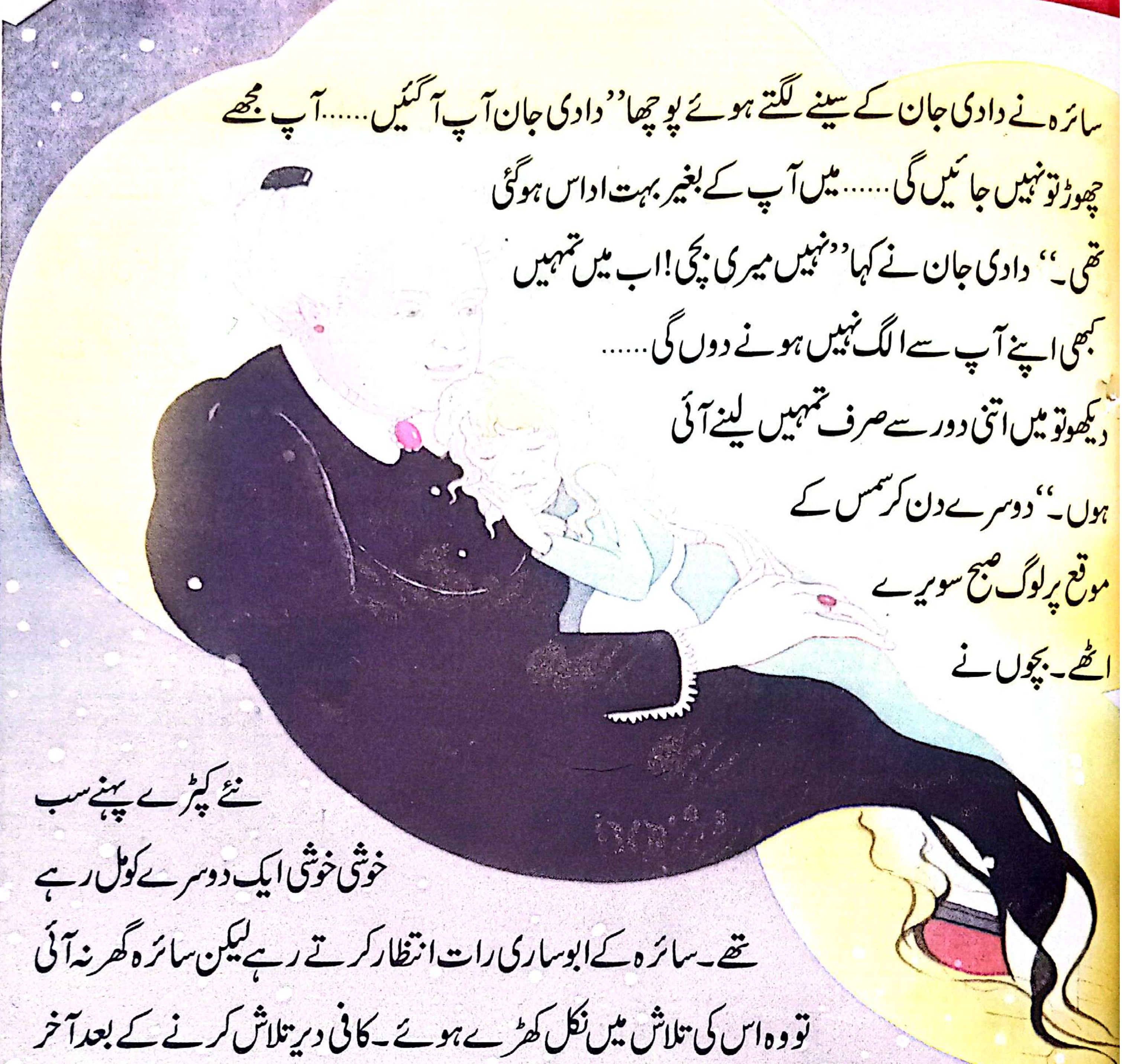
کسی انسان کی موت واقع ہوتی ہے۔

سائرہ نے ایک اور ماچس کی تیلی جلائی اور اپنی دادی امی کو یاد کرنے لگی۔ اس نے اپنی دادی امی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا دادی جان ماچس کی تیلی بجھنے کے بعد آپ بھی باقی چیزوں کی طرح مجھے چھوڑ کر نہ

چلی جانا۔ میں آپ سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ ابو جان مجھ سے ذرا بھی پیار نہیں کرتے۔ مجھے بہت زیادہ ڈانٹتے ہیں۔ اور ہاں آج تو میں ان کی ڈانٹ کے خوف سے اپنے گھر بھی واپس نہیں گئی۔ دادی جان دیکھیں یہاں گلی میں مجھے سردی لگ رہی ہے۔ میں نے صبح سے کھانا بھی نہیں کھایا۔ اور دادی جان آپ کو معلوم ہے میرے پاس کل کرسمس کے موقع پر پہننے کے لئے نئے کپڑے بھی نہیں ہیں۔

ماچس کی تیلی ایک بار پھر بجھ گئی تھی۔ سائرہ نے جلدی سے نئی تیلی جلائی۔ سائرہ نے دیکھا کہ دادی جان سیاہ رنگ کے ریشمی کپڑے پہنے آسمان سے نیچے اتر کر آ گئیں۔ انہوں نے سائرہ کو گود میں بٹھایا اور بہت پیار کرنے لگیں۔

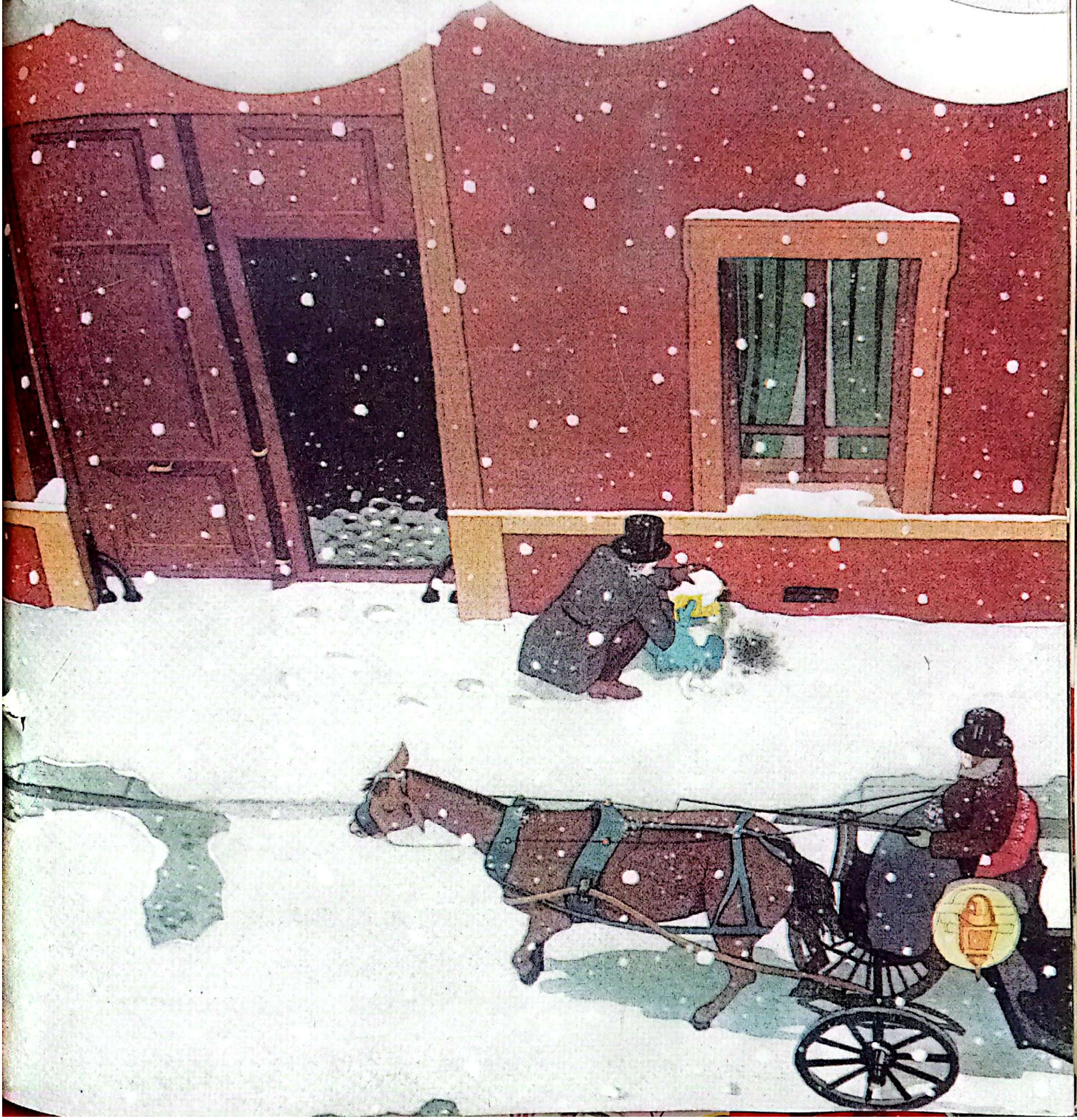




سائرہ نے دادی جان کے سینے لگتے ہوئے پوچھا ''دادی جان آپ آگئیں......آپ مجھے چھوڑ تو نہیں جائیں گی......میں آپ کے بغیر بہت اداس ہوگئی تھی۔'' دادی جان نے کہا ''نہیں میری بچی! اب میں تمہیں کبھی اپنے آپ سے الگ نہیں ہونے دوں گی...... دیکھو تو میں اتنی دور سے صرف تمہیں لینے آئی ہوں۔'' دوسرے دن کرسمس کے موقع پر لوگ صبح سویرے اٹھے۔ بچوں نے نئے کپڑے پہنے سب خوشی خوشی ایک دوسرے کو مل رہے تھے۔ سائرہ کے ابو ساری رات انتظار کرتے رہے لیکن سائرہ گھر نہ آئی تو وہ اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ کافی دیر تلاش کرنے کے بعد آخر ایک گلی میں انہیں سائرہ مل گئی۔ وہ بھاگتے ہوئے سائرہ کے پاس پہنچے اور بولے ''بیٹی تم یہاں بیٹھی ہو......میں ساری رات گھر پر تمہارا انتظار کرتا رہا......اور ہاں تمہیں معلوم ہے میں نے اس مرتبہ کرسمس پر پہننے کے لئے تمہارے لئے نئے کپڑے بھی خریدے ہیں......چلو اٹھو شاباش گھر چلو۔''

سائرہ نے اپنے ابو کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے پکڑ کر سائرہ کو اٹھانا چاہا لیکن یہ کیا......سائرہ جا جسم اکڑ چکا تھا......اس کو مرے ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا۔

سائرہ کے ابو نے دیکھا ماچس کی جلی ہوئی تیلیاں اس کے اردگرد بکھری پڑی تھیں وہ سمجھ گئے کہ کل سائرہ کے ماچس کی ڈبیاں فروخت نہیں ہوئی تھیں اور وہ خوف کی وجہ سے رات بھر گھر نہیں آئی۔ اس نے ماچس کی تیلیاں جلا کر اپنے آپ کو سردی سے بچانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے آپ کو نہ بچا پائی اور سردی سے ٹھٹھر کر مر گئی۔



علی بابا اور چالیس چور

علی بابا اور قاسم دو بھائی تھے۔علی بابا اور اس کی بیوی ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے۔علی بابا جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور انہیں بازار میں فروخت کرتا تھا۔اس طرح جو آمدنی ہوتی تھی اس سے دونوں میاں بیوی اپنی گذر اوقات کر لیا کرتے۔

قاسم اور اس کی بیوی ایک بہت بڑے گھر میں رہتے تھے۔قاسم کا وسیع کاروبار تھا۔قاسم کی بیوی بھی ایک امیر آدمی کی بیٹی تھی۔وہ قاسم کے بھائی علی بابا اور اس کی بیوی کو بالکل پسند نہیں کرتی تھی۔

ایک روز علی بابا کو لکڑیاں کاٹتے ہوئے جنگل میں دیر ہو گئی۔شام کے وقت وہ لکڑیوں کا گٹھا باندھ رہا تھا کہ اسے جنگل میں کچھ گھڑسوار آتے دکھائی دیئے۔علی بابا نے اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”میرا خیال ہے یہ کوئی ڈاکو ہیں۔“ اتنی دیر میں وہ گھڑسوار کافی

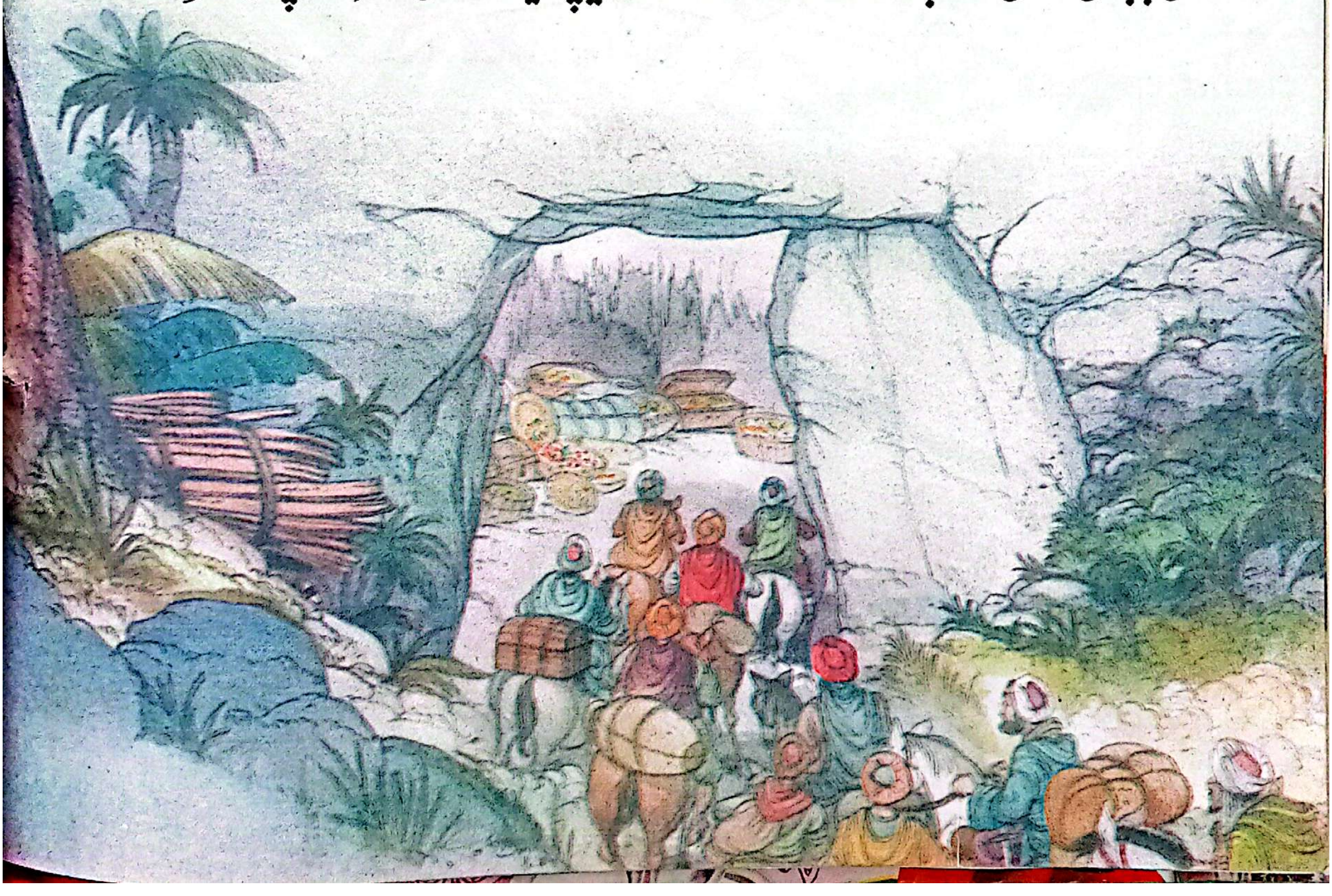


قریب آ چکے تھے۔ علی بابا جلدی سے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اور چھپ کر ان گھڑسواروں کو دیکھنے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد گھڑسوار اس درخت کے اتنا قریب آ گئے کہ علی بابا کو ان کی آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔ ایک آدمی جو اپنے حلیئے سے ان کا سردار معلوم ہوتا تھا ایک بڑے سے پتھر کے قریب گیا اور بولا" کھل جا...... سم...... سم۔" اور فوراً ہی پتھر ایک طرف سرک گیا۔ اس پتھر کے پیچھے ایک بہت بڑا غار تھا۔ سردار اس غار کے اندر داخل ہو گیا۔ اس کے باقی ساتھی جن کی تعداد انتالیس تھی وہ بھی اس کے پیچھے غار میں چلے گئے۔

علی بابا غار کا بھید معلوم ہونے پر بہت حیران ہوا۔ وہ درخت پر چھپ کر بیٹھا رہا۔ کافی دیر بعد یہ سب لوگ غار سے باہر آئے۔ سب سے آخر میں ان کا سردار تھا۔ اس نے باہر آکر کہا" بند ہو جا...... سم...... سم۔" پتھر دوبارہ غار کے منہ پر آ گیا۔ پھر تمام چالیس چور وہاں سے واپس چلے گئے۔

علی بابا ان لوگوں کے جانے کے بعد درخت سے نیچے آیا۔ اور اسی پتھر کے پاس کھڑے ہو کر بولا





''کھل جا......سم......سم۔'' پتھر فوراً اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ علی بابا غار کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا غار میں بڑے بڑے برتنوں میں سونے اور چاندی کے سکے رکھے تھے۔ ہیرے اور جواہرات بھی بھرے پڑے تھے۔ اس نے جلدی جلدی دو تھیلوں میں سونے کے سکے بھرے اور غار سے باہر آ گیا۔ غار سے نکل کر علی بابا نے پتھر کو دیکھتے ہوئے کہا ''بند ہو جا......سم......سم۔'' اور غار کا منہ پہلے کی طرح بند ہو گیا۔

علی بابا سونے کے سکے لے کر گھر آ گیا۔ اس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کیا اور بیوی کو کہا ''اندر آ کر میری بات سنو۔'' علی بابا کی بیوی جب اس کے پاس آئی تو اس نے سونے کے سکوں سے بھرے تھیلے اس کے سامنے رکھ دیئے۔ وہ اتنے سارے سونے کے سکے دیکھ کر بہت حیران ہوئی اور بولی ''علی بابا یہ اتنے سارے سکے تمہارے پاس کہاں سے آئے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے چوری کرنی شروع کر دی ہو۔''

علی بابا نے کہا ''میں نے چوری نہیں کی۔'' اور پھر اس نے غار کا راز اپنی بیوی کو بتا دیا۔ اور ساتھ ہی تاکید کی کہ وہ یہ بات کسی کو نہ بتائے۔

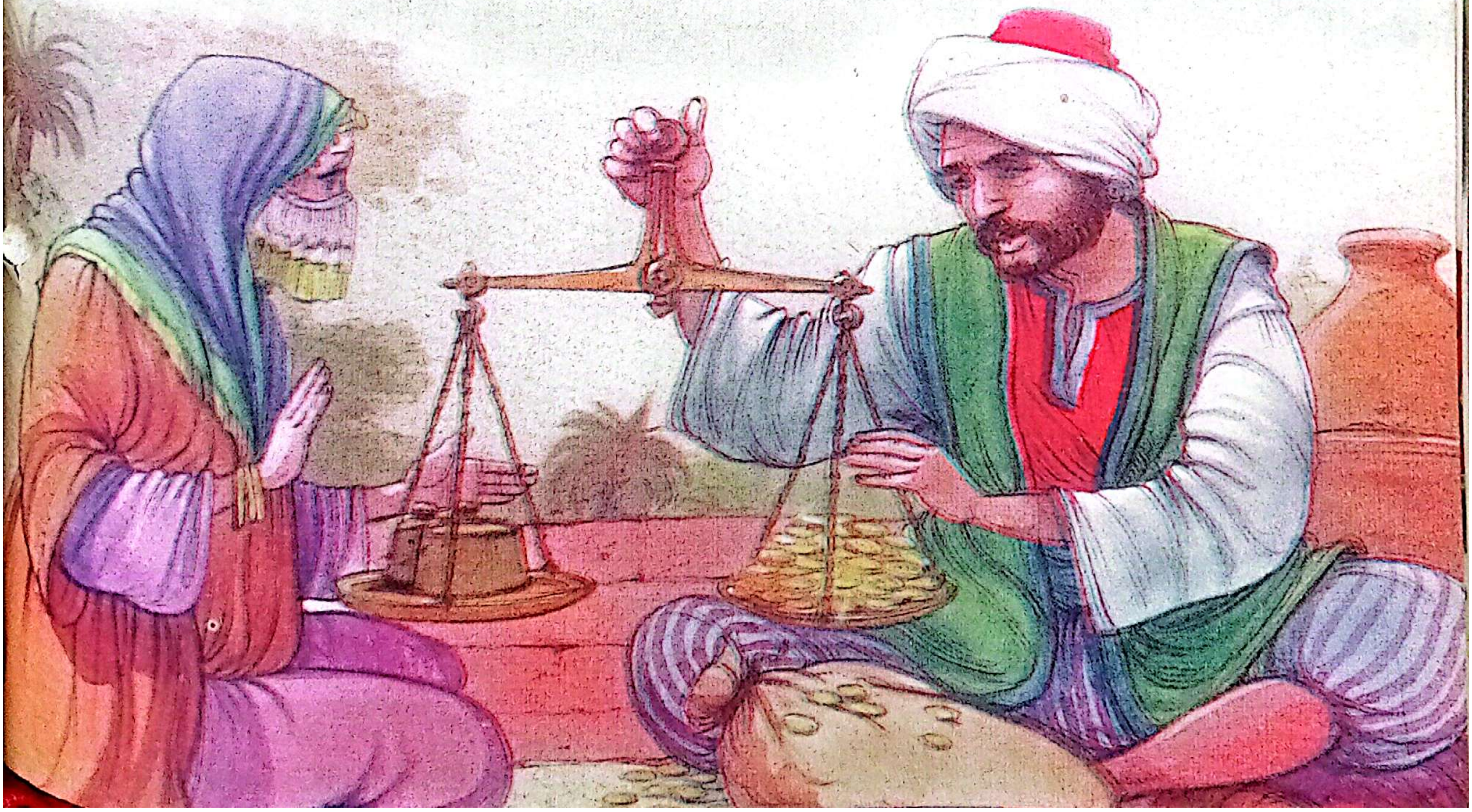
علی بابا نے اپنی بیوی سے کہا ''میرا خیال ہے ہم یہ دولت اپنے گھر میں زمین کھود کر دبا دیتے ہیں۔



ضرورت کے مطابق اس میں سے خرچ کے لیے نکال لیا کریں گے۔'' اس کی بیوی نے کہا ''ٹھیک ہے لیکن پہلے اس کا وزن تو کرلیں تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ ہمارے پاس کتنی دولت ہے۔'' علی بابا نے اپنی بیوی کو کہا ''اس کا وزن کرنے کی بجائے اگر تم چاہو تو گن لو۔ کیونکہ وزن کرنے کے لئے ہمیں ترازو کی ضرورت پڑے گی اور ترازو ہمارے گھر نہیں ہے۔'' اس پر علی بابا کی بیوی کہنے لگی ''یہ تو کوئی بڑی بات نہیں...... میں ابھی قاسم بھائی کے گھر سے ترازو لے آتی ہوں۔''

علی بابا کی بیوی نے قاسم کی بیوی سے کہا ''بہن! ہمیں کچھ دیر کے لئے ترازو دے دو...... ہم کچھ اناج تولنا چاہتے ہیں۔''

قاسم کی بیوی کو بہت تعجب ہوا۔ اس نے سوچا ان کے پاس تو مشکل سے روزانہ کھانے کے لئے اناج ہوتا ہے۔ یہ ترازو میں کیا تولنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا اچھا تم ٹھہرو میں تمہیں ابھی ترازو دیتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر کے ایک کمرے میں گئی اور ترازو اٹھا کر اس کے ایک پلڑے کے نیچے ذرا سی گوند لگا دی۔ تاکہ علی بابا اور اس کی بیوی ترازو میں جو چیز تولیں اس کے ایک دو دانے اس پلڑے کے ساتھ چپک





جائیں۔اس طرح سے معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے کیا تولا ہے۔

علی بابا کی بیوی ترازو لے کر گھر آئی۔دونوں نے مل کر سونے کے سکوں کا وزن کیا اور پھر انہیں گھر کے صحن میں گڑھا کھود کر دبا دیا۔

قاسم کی بیوی کو جب ترازو واپس دیا تو وہ فوراً کمرے میں گئی اور اس پلڑے کے نیچے دیکھا جہاں اس نے گوند لگائی تھی۔اس جگہ سونے کا سکہ چپکا ہوا تھا۔قاسم کی بیوی بھاگی بھاگی قاسم کے پاس آئی اور کہنے لگی "تمہیں معلوم ہے علی بابا اور اس کی بیوی نے ہمارے ترازو میں کیا تولا ہے؟" قاسم نے لاعلمی کا اظہار کیا تو اس نے بتایا کہ انہوں نے سونے کے سکے تولے ہیں۔ان کے پاس سونے کے اتنے سکے ہیں کہ وہ گن نہیں سکتے بلکہ تول کر رکھتے ہیں۔

قاسم اپنے بھائی علی بابا کے گھر گیا اور اس سے پوچھا "سچ بتاؤ تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے

آئی......کل تک تو تم کھانا بھی مشکل سے کھاتے تھے۔'' علی بابا! نے اپنے بھائی کو جنگل میں موجود غار کا راز بتا دیا۔ اس نے کہا ''علی بابا! تم مجھے ابھی وہ غار دکھاؤ۔'' بھائی کے اصرار پر علی بابا نے اسے غار کا راستہ بتا دیا۔

دوسرے دن صبح سویرے سورج طلوع ہونے سے پہلے قاسم اپنے گھر سے نکلا اور غار کے پاس پہنچ گیا۔ غار کے منہ کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے کہا ''کھل جا......سم......سم۔'' پتھر فوراً غار کے آگے سے ہٹ گیا۔ قاسم بہت خوش ہوا۔ وہ غار کے اندر داخل ہو گیا اور اندر جا کر ''بند ہو جا......سم......سم۔'' کہہ کر غار کا منہ بند کر دیا۔

قاسم نے غار کے اندر سونے کے سکے اور ہیرے جواہرات کا انبار دیکھا تو وہ خوشی سے دیوانہ وار قہقہے لگانے لگا۔ وہ کہنے لگا ''ہا......ہا......ہا...... یہ ساری دولت اب میری ہے۔ میں اب اس ملک کا امیر





ترین آدمی ہوں۔" وہ خوشی میں غار کے اندر بھاگنے لگا۔

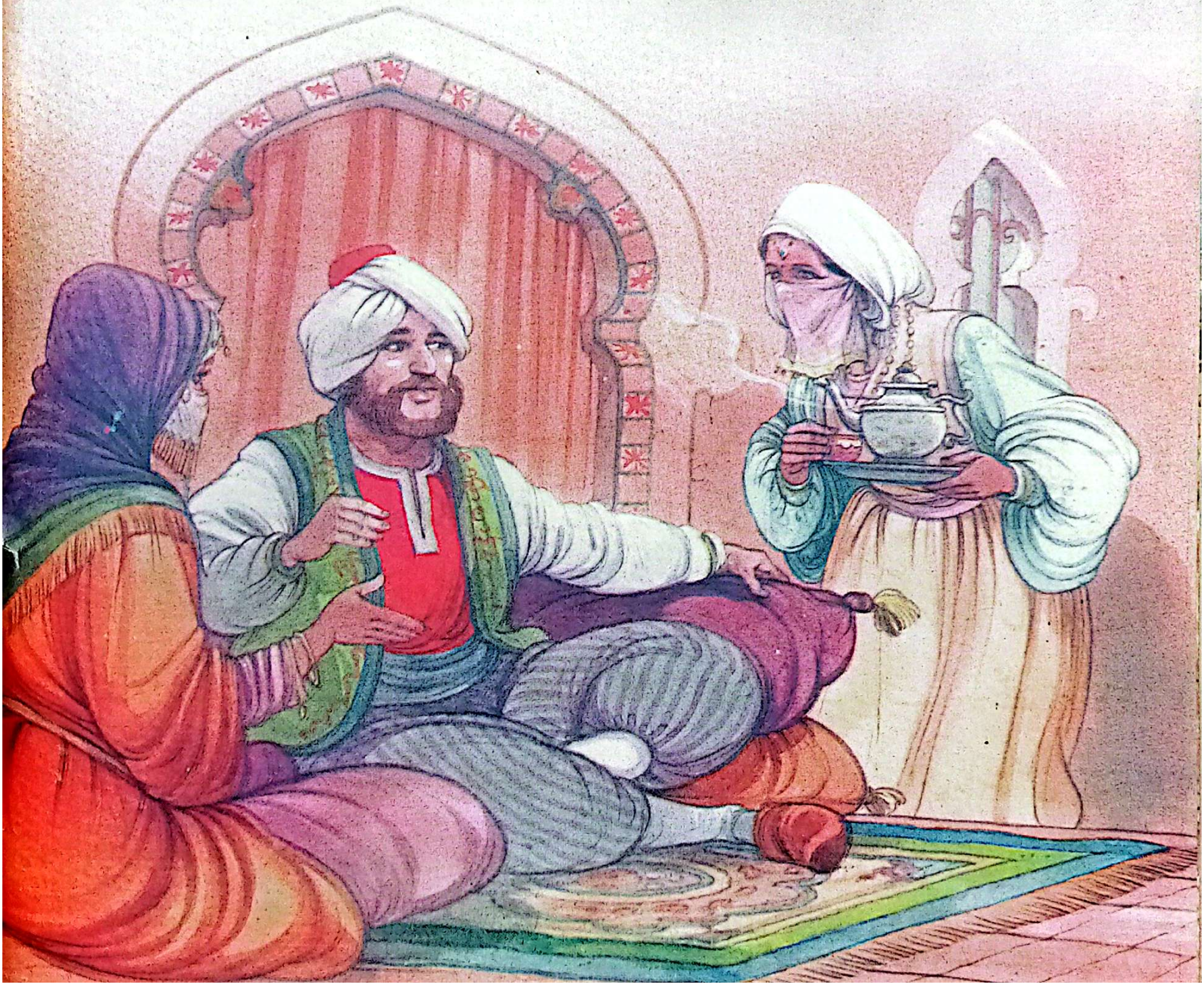
قاسم نے چار تھیلوں میں سونے کے سکے اور ہیرے بھرے اور واپس جانے کے لئے غار کے منہ پر آیا۔ لیکن اب وہ غار کے منہ سے پتھر ہٹانے والے الفاظ بھول گیا۔ اس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے سوچا اور بولا "دروازے کھل جا۔" یہ تو وہ الفاظ ہی نہیں تھے۔ پتھر اپنی جگہ سے بالکل بھی نہ ہلا۔ اس نے پھر سوچا اور اب کہا "پتھر ہٹ جا۔" لیکن پتھر ابھی تک اپنی جگہ پر تھا۔ یہ دیکھ کر قاسم بہت گھبرایا۔ اس نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ "مجھے باہر نکالو...... مجھے باہر نکالو...... میرا دم گھٹ رہا ہے...... مجھے باہر نکالو۔"

کچھ دیر بعد اسے غار کے باہر سے آواز سنائی دی۔ "کھل جا...... سم...... سم۔" اور فوراً ہی راستہ کھل گیا۔ قاسم چوروں کو اندر آتا دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ چوروں کے سردار نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس کو فوراً قتل کر دو اور اس کے ٹکڑے کر کے غار کے راستے پر لٹکا دو تا کہ آئندہ کسی کو اس طرف آنے کی ہمت نہ ہو اور چوروں

نے قاسم کو قتل کر دیا۔

شام تک قاسم واپس نہ آیا تو اس کی بیوی نے علی بابا سے کہا ’’قاسم صبح غار کی طرف گیا تھا۔ ابھی تک واپس نہیں آیا۔‘‘ علی بابا نے غار میں جا کر دیکھا تو قاسم کی لاش کے چار ٹکڑے پڑے تھے۔ اس نے واپس آ کر قاسم کی بیوی کو قاسم کی موت کی اطلاع دی۔

کچھ عرصہ بعد علی بابا نے قاسم کی بیوی سے شادی کر لی۔ وہ اپنی دونوں بیویوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگا۔ انہوں نے پھر کبھی کسی کو غار کا راز نہیں بتایا۔



چالاک بھیڑیا



کہیں دور گاؤں میں ایک چھوٹی سی بچی اپنی امی کے ساتھ رہتی تھی۔ بچی کا نام آمنہ تھا۔ آمنہ بہت خوبصورت تھی۔ ہر کوئی اس سے پیار کرتا تھا۔ ایک دن آمنہ کی امی نے اس کو سرخ رنگ کے کپڑے پہننے کو دئے۔ سرخ رنگ آمنہ کو اتنا اچھا لگا کہ وہ ان کپڑوں کو تبدیل کرنے پر رضامند نہ ہوتی تھی۔ اور پھر اکثر آمنہ سرخ رنگ کے کپڑے پہننے لگی۔ انہی کپڑوں کی مناسبت سے گاؤں کے لوگ آمنہ کو سرخ کپڑوں والی لڑکی بھی کہنے لگے۔

ایک دن آمنہ کی امی نے اس سے کہا" آمنہ تمہاری نانی جان کی طبیعت آج کافی خراب ہے۔

تم یہ کیک اور جوس انہیں دے آؤ۔" آمنہ کیک اور جوس لے کر جانے لگی تو اس کی امی نے کہا

" دیکھو! راستے میں اجنبی لوگوں سے کوئی بات نہ کرنا۔ اور جلدی گھر واپس آ جانا۔" آمنہ نے اپنی امی سے

جلد گھر لوٹ آنے کا وعدہ کیا اور نانی جان کے گھر کی طرف چل پڑی۔

نانی جان کے گھر جانے کے لئے ایک چھوٹے سے جنگل میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ آمنہ جب اس جنگل میں پہنچی تو وہاں اسے ایک بھیڑیا نظر آیا۔ بھیڑیئے نے آمنہ سے پوچھا" اچھی لڑکی تم کہاں جا رہی ہو۔" آمنہ کو فوراً اپنی امی کی نصیحت یاد آ گئی۔ لیکن پھر اس نے سوچا یہ تو بھیڑیا ہے کوئی انسان تو نہیں ہے۔ اس سے بات کرنے میں بھلا کیا حرج ہو سکتا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے بھیڑیئے کو بتایا کہ میری نانی جان بیمار ہیں میں انہیں یہ کیک اور جوس دینے جا رہی ہوں۔ اور اب مجھ سے کچھ اور نہ پوچھنا میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گی کیونکہ میری امی جان نے مجھے کسی بھی اجنبی کو کچھ بتانے سے منع کیا ہے۔

بھیڑیئے نیکہا تم ناراض کیوں ہوتی ہو۔ تم تو اتنی پیاری لڑکی ہو اور یہ

دیکھو یہ سرخ رنگ کے کپڑے تمہارے جسم پر کتنے اچھے لگ

رہے ہیں میں تو صرف یہ پوچھ رہا تھا کہ تمہاری نانی



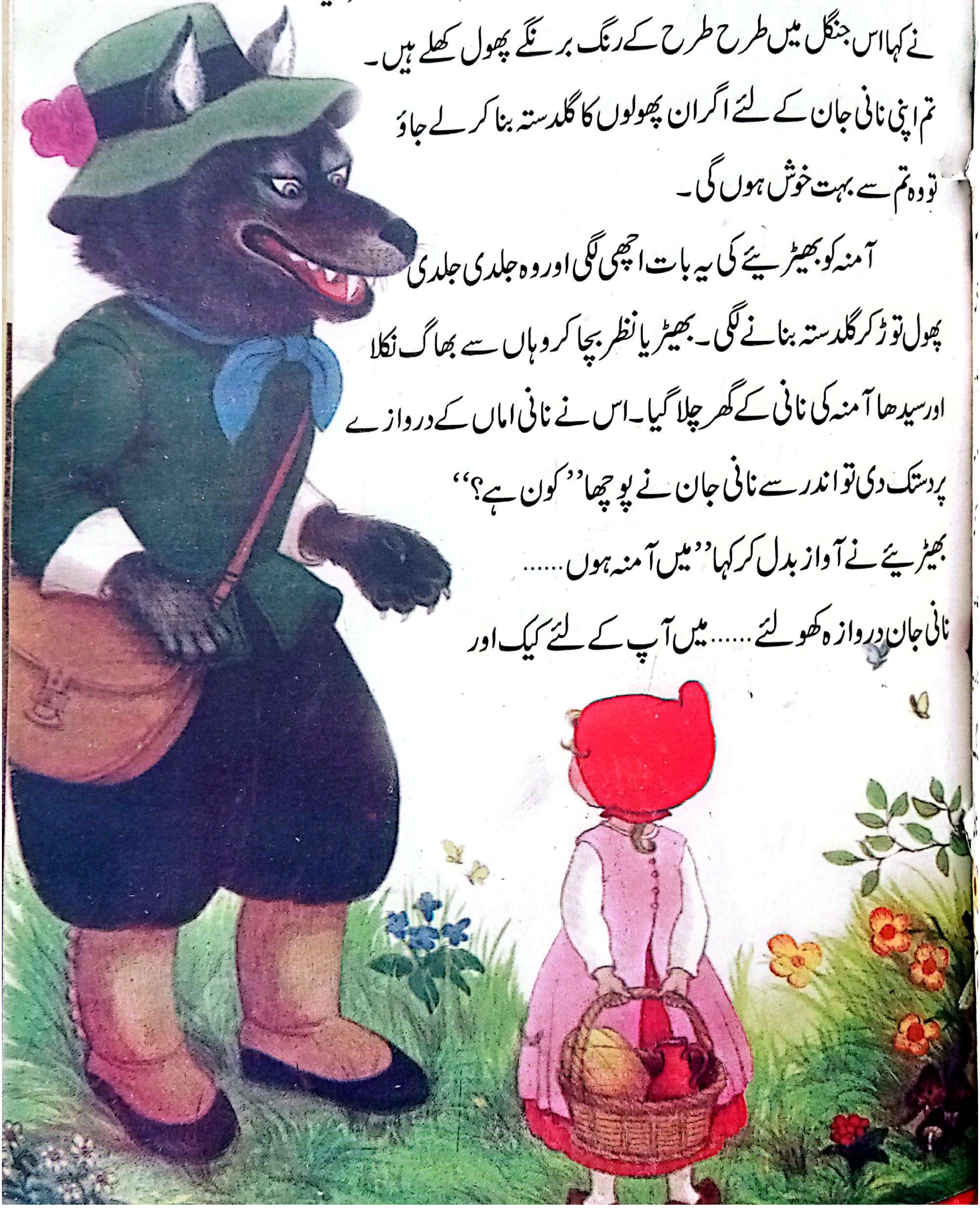
اماں کہاں رہتی ہیں؟ آمنہ اپنی خوبصورتی اور کپڑوں کی تعریف سن کر خوش ہو گئی اور اپنی امی کی نصیحت بھلا کر بولی ''میری نانی جان جنگل کے اس پار ایک گھر میں رہتی ہیں۔'' بھیڑیئے نے کہا اس جنگل میں طرح طرح کے رنگ برنگے پھول کھلے ہیں۔

تم اپنی نانی جان کے لئے اگر ان پھولوں کا گلدستہ بنا کر لے جاؤ تو وہ تم سے بہت خوش ہوں گی۔

آمنہ کو بھیڑیئے کی یہ بات اچھی لگی اور وہ جلدی جلدی پھول توڑ کر گلدستہ بنانے لگی۔ بھیڑیا نظر بچا کر وہاں سے بھاگ نکلا اور سیدھا آمنہ کی نانی کے گھر چلا گیا۔ اس نے نانی اماں کے دروازے پر دستک دی تو اندر سے نانی جان نے پوچھا ''کون ہے؟''

بھیڑیئے نے آواز بدل کر کہا ''میں آمنہ ہوں......

نانی جان دروازہ کھولئے......میں آپ کے لئے کیک اور



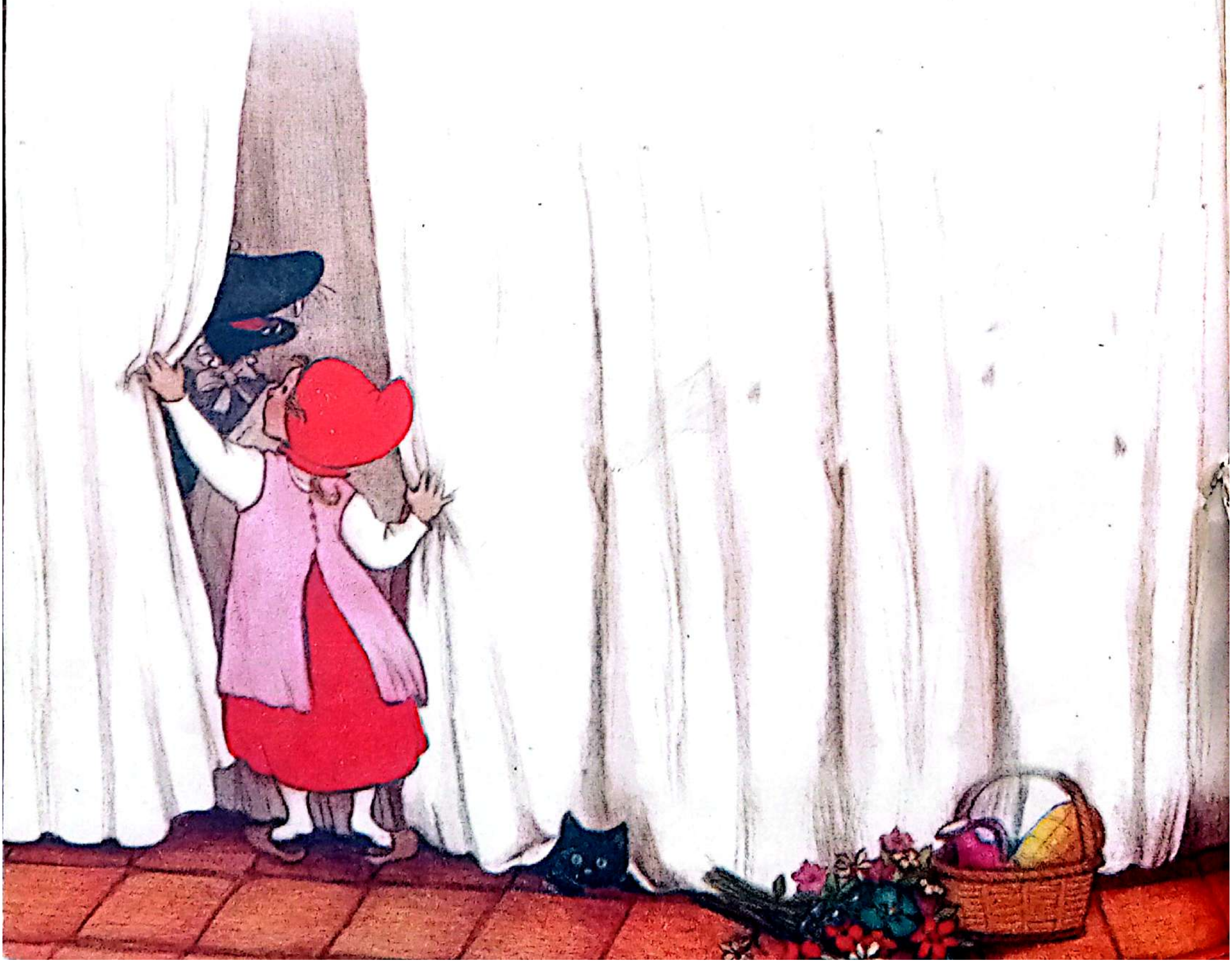
جوس لائی ہوں۔'' نانی جان نے آواز دی '' آمنہ بیٹی! دروازہ کھلا ہے اندر آ جاؤ۔'' بھیڑیا فوراً گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ چارپائی پر نانی جان لیٹی تھی وہ ان کے پاس گیا...... نانی جان اتنی کمزور تھیں کہ اپنا بچاؤ نہ کر سکیں اور بھیڑیئے نے ان کو نگل لیا۔

اب بھیڑیا نانی جان کا کمبل لے کر اور ان کے کپڑے پہن کر ان ہی کے بستر پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد آمنہ آئی اور نانی جان کو آواز دی۔ چالاک بھیڑیئے نے نانی جان کی طرح آواز نکالتے ہوئے پوچھا ''کون ہے؟'' آمنہ نے اپنا تعارف کروایا تو بھیڑیئے نے کہا ''ٹھیک ہے اندر آ جاؤ۔'' آمنہ گھر کے اندر آ گئی اور نانی جان کے بستر کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے پوچھا نانی جان یہ آپ کے پاؤں اتنے بڑے بڑے کیسے ہو گئے؟ اور یہ دانت...... آپ کے تو دانت بھی بہت بڑے ہیں۔ بھیڑیا ایک دم چھلانگ لگا کر بستر



سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا بیوقوف لڑکی میں نے تمہاری نانی جان کو کھالیا ہے اور اب تمہیں بھی کھا جاؤں گا۔آمنہ بھیڑیئے کی بات سن کر پریشان ہوگئی۔بھیڑیئے نے آمنہ کو اٹھا کر منہ میں رکھا اور نگل لیا۔

بھیڑیئے کا پیٹ بھر گیا تھا۔اس لئے وہ آرام کرنے کی غرض سے وہیں لیٹ کر سو گیا۔اور خوب اونچی آواز میں خراٹے لینے لگا۔ایک شکاری جو کہ روزانہ شکار کرنے جنگل میں جاتا تھا۔وہ نانی جان کو ضرور ملا کرتا تھا۔شام کے وقت جب وہ نانی جان کے گھر آیا تو دروازے میں پہنچ کر اسے گھر کے اندر سے خراٹوں کی آواز سنائی دی۔شکاری نے دروازے پر دستک دی۔مگر کوئی جواب نہ آیا۔آخر شکاری نے دروازہ کھولا اور گھر کے اندر آ گیا......لیکن یہ کیا......گھر کے اندر تو نانی جان کی جگہ ایک موٹا تازہ بھیڑیا سو رہا تھا۔شکاری سمجھ گیا کہ بھیڑیئے نے نانی جان کو کھالیا ہے۔اس نے سوئے ہوئے بھیڑیئے پر اپنی بندوق





تان لی۔ قریب تھا کہ وہ گولی چلا دیتا لیکن پھر اس کو خیال آیا کہ اگر بھیڑیئے کو گولی ماری تو ہو سکتا ہے وہ نانی جان کو لگے اور اس طرح انہیں کوئی نقصان پہنچے۔ شکاری نے بندوق ایک طرف رکھی اور اپنے بیگ سے ایک بڑا سا چاقو نکال لیا۔ چاقو لے کر وہ دبے قدموں چلتا ہوا بھیڑیئے کے پاس آیا اور اس کے سر پر ایک زوردار وار کیا۔ چاقو کا وار اتنا کاری تھا کہ بھیڑیا اپنی جگہ سے جنبش کیئے بنا مر گیا۔ اب شکاری نے اسی چاقو سے بھیڑیئے کا پیٹ چاک کر دیا۔ بھیڑیئے کا پیٹ چاک ہوتے ہی پہلے آمنہ باہر نکلی اور پھر نانی جان بھی باہر نکل آئیں۔ آمنہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا" اف بھیڑیئے کے پیٹ میں کس قدر گھٹن تھی اور وہاں

تو اندھیرا ابھی بہت تھا۔"

نانی جان کو سانس لینے میں کافی دشواری پیش آرہی تھی۔ اور وہ بہت نڈھال ہو رہی تھیں۔ شکاری نے انہیں جوس پلایا جو آمنہ اپنی نانی جان کے لئے لائی تھی۔ جوس پی کر نانی جان کی طبیعت بشاش ہوگئی۔

نانی جان نے شکاری کا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگیں اگر تم کچھ دیر اور نہ آتے تو ہم بھیڑیئے کے پیٹ میں مرجاتے۔" شکاری نے آمنہ اور نانی جان کو آمنہ کے گھر پہنچا دیا۔ آمنہ نے اپنی امی سے کہا "امی جان!



مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ کی نصیحت پر عمل نہیں کیا اور راستے میں بھیڑیئے کو بتا دیا کہ میں کہاں جا رہی ہوں...... یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔'' اور پھر آمنہ نے ہمیشہ بڑوں کی بات ماننے کا وعدہ کیا۔

اس دن کے بعد آمنہ اس کی امی اور نانی جان مل جل کر ہنسی خوشی رہنے لگے۔





نیلی داڑھی والا ظالم

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی شہر میں ایک بہت امیر آدمی رہتا تھا۔ اس آدمی کی داڑھی کا رنگ نیلا تھا۔
یہی وجہ تھی کہ کوئی بھی شخص اس کا اصل نام نہیں جانتا تھا بلکہ اس کو نیلی داڑھی والا کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

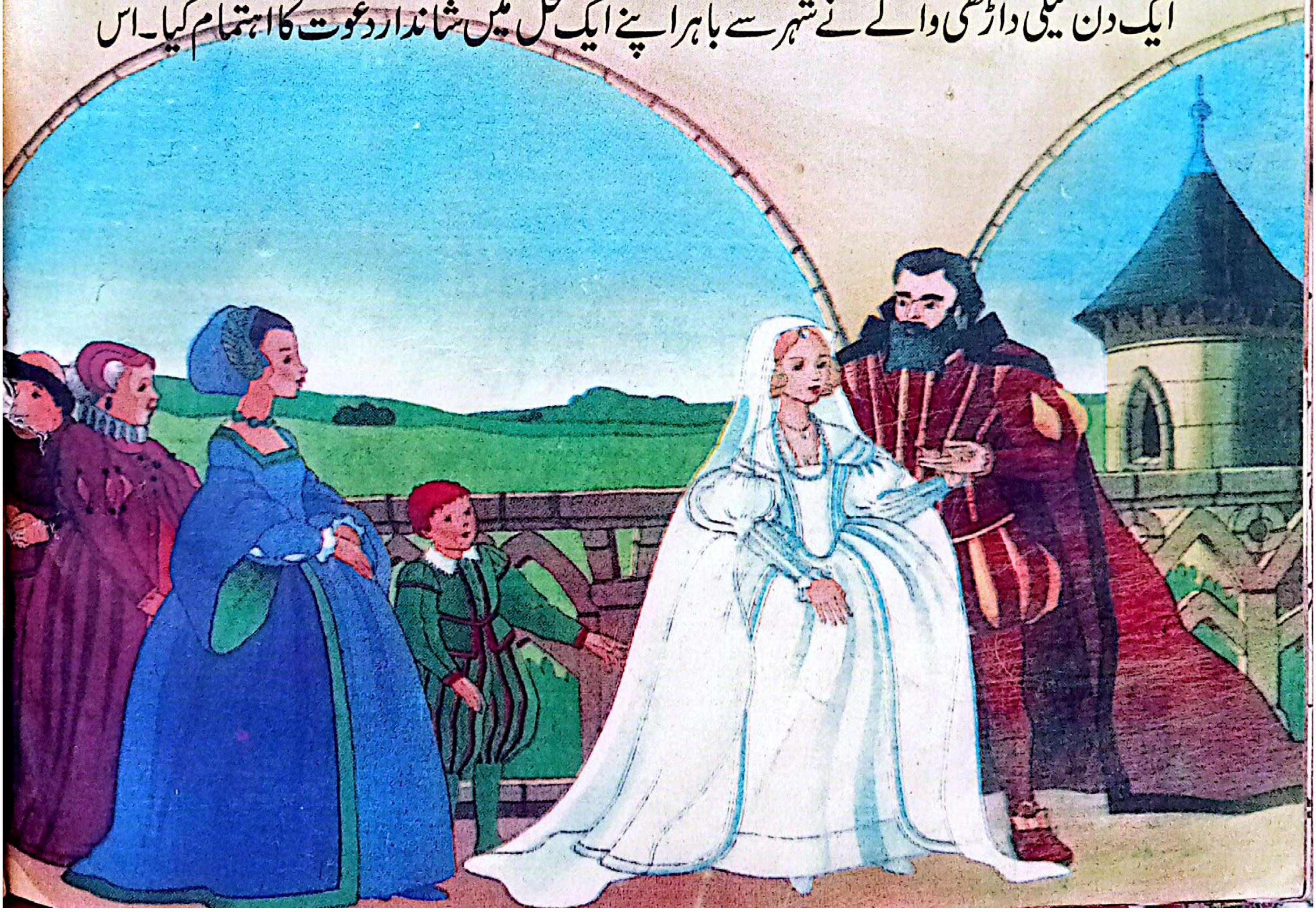


نیلی داڑھی والے نے یکے بعد دیگرے چھ شادیاں کیں لیکن شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی اس کی بیوی غائب ہو جاتی اور پھر کبھی کسی کو نظر نہ آتی۔

چھٹی بیوی کے غائب ہونے کے کچھ عرصہ بعد نیلی داڑھی والے نے اپنے ایک دوست سے کہا میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے محلے میں ایک لڑکی رہتی ہے اس کا نام صدف ہے تم اس کے والد سے ملو اور میرا شادی کا پیغام پہنچادو۔

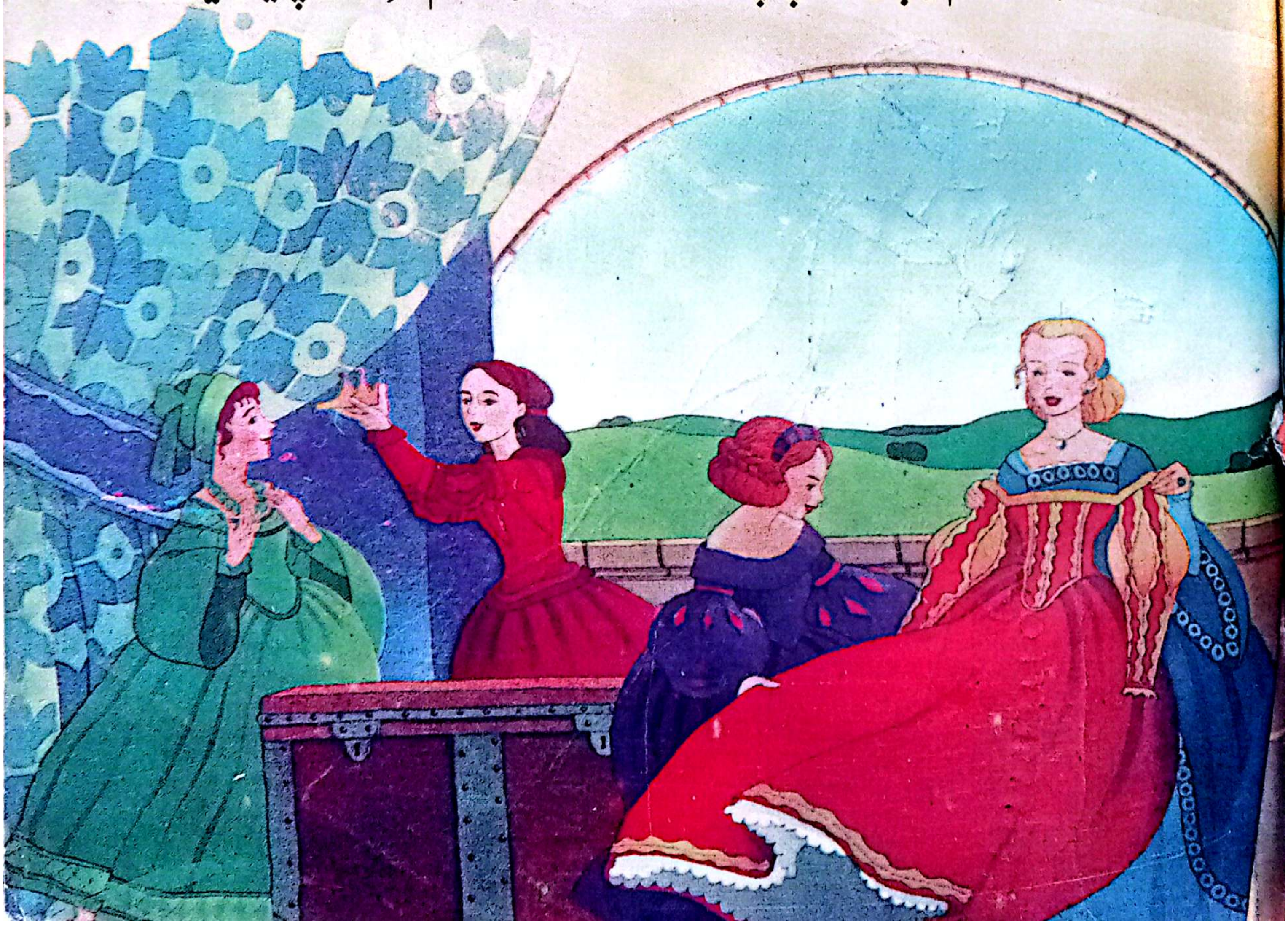
صدف کو جب معلوم ہوا کہ نیلی داڑھی والا اس سے شادی کا خواہش مند ہے تو اس نے انکار کر دیا اور کہنے لگی میں کسی ایسے شخص سے شادی نہیں کرسکتی جس کی نیلے رنگ کی داڑھی ہو اور دیکھنے میں ہی مضحکہ خیز لگے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی پہلی چھ بیویوں کے بارے میں آج تک کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں گئیں۔

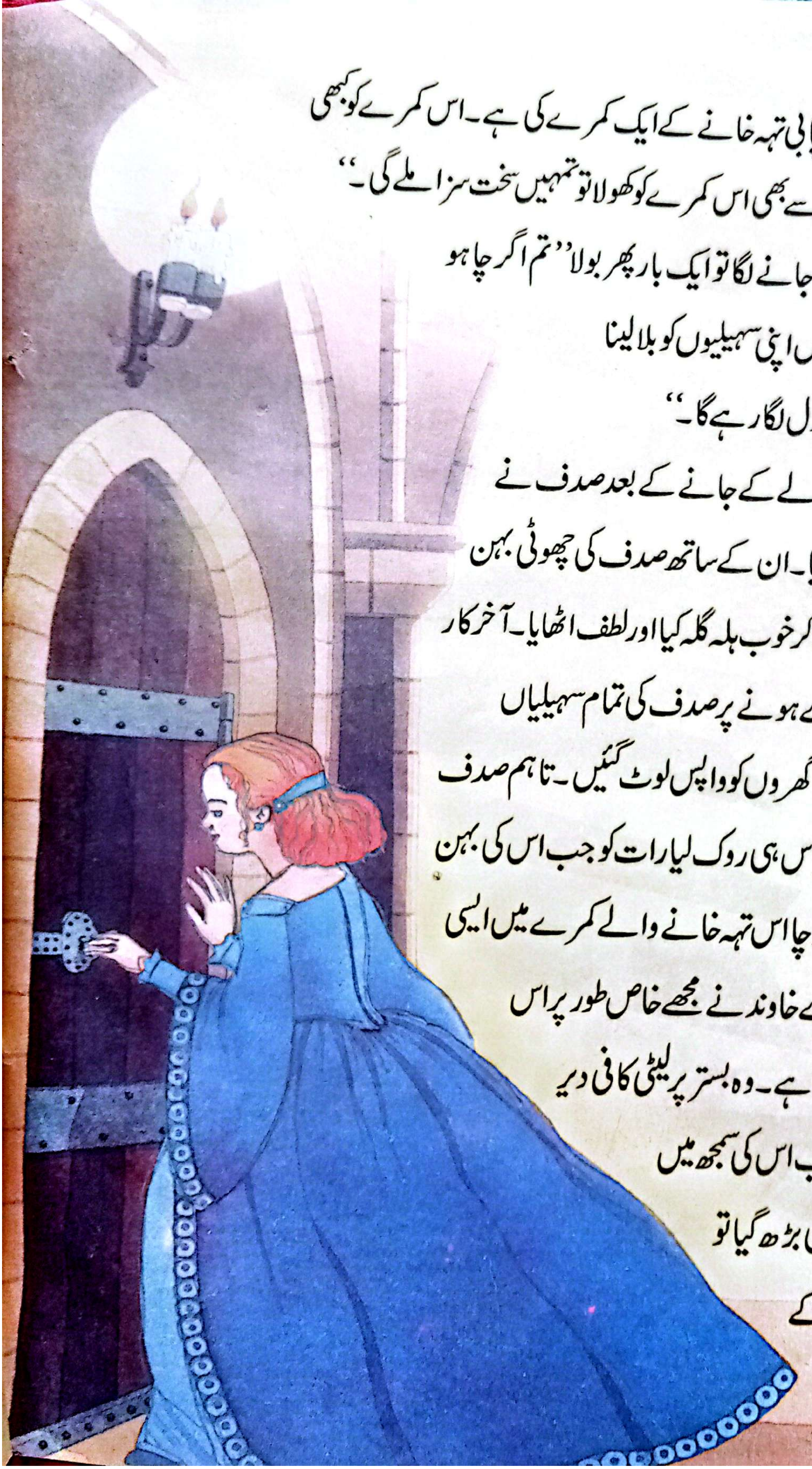
ایک دن نیلی داڑھی والے نے شہر سے باہر اپنے ایک محل میں شاندار دعوت کا اہتمام کیا۔ اس



دعوت میں اس نے صدف کو خاص طور پر مدعو کیا۔ دعوت والے دن جب صدف اس کے محل میں آئی تو نیلی داڑھی والے نے اس کی بہت خاطر تواضع کی۔ کافی دیر دونوں اکٹھے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ نیلی داڑھی والے کی باتوں میں بہت مزاح تھا۔ صدف اس سے باتیں کر کے محظوظ ہو رہی تھی۔ دعوت کے اختتام پر نیلی داڑھی والے نے ایک بار پھر صدف سے شادی کی درخواست کی۔ اس مرتبہ صدف نے نیلی داڑھی والے سے شادی کی حامی بھر لی۔ دونوں طرف شادی کی تیاریاں ہونے لگیں اور بہت جلد صدف کی شادی نیلی داڑھی والے سے ہو گئی۔ نیلی داڑھی والے نے صدف کو کہا ہم شہر سے باہر اپنے اسی محل میں رہا کریں گے جہاں تم نے میری دعوت میں شرکت کی تھی۔

ایک دن نیلی داڑھی والے نے صدف سے کہا "میں اپنے دوستوں کے ساتھ کچھ دن کے لئے کسی دوسرے شہر جا رہا ہوں۔ تم یہ چابیاں اپنے پاس رکھ لو اس میں گھر کے تمام کمروں کی چابیاں ہیں۔ اس میں





ایک سب سے چھوٹی چابی تہہ خانے کے ایک کمرے کی ہے۔اس کمرے کو کبھی
نہ کھولنا اگر تم نے غلطی سے بھی اس کمرے کو کھولا تو تمہیں سخت سزا ملے گی۔''
یہ کہہ کر نیلی داڑھی والا جانے لگا تو ایک بار پھر بولا''تم اگر چاہو
تو میری غیر موجودگی میں اپنی سہیلیوں کو بلا لینا
اس طرح یہاں تمہارا دل لگا رہے گا۔''

نیلی داڑھی والے کے جانے کے بعد صدف نے
اپنی سہیلیوں کو گھر بلا لیا۔ان کے ساتھ صدف کی چھوٹی بہن
بھی تھی۔سب نے مل کر خوب ہلہ گلہ کیا اور لطف اٹھایا۔آخر کار
شام کے سائے گہرے ہونے پر صدف کی تمام سہیلیاں
ایک ایک کر کے اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئیں۔تاہم صدف
نے اپنی بہن کو اپنے پاس ہی روک لیا رات کو جب اس کی بہن
سو گئی تو صدف نے سوچا اس تہہ خانے والے کمرے میں ایسی
کیا بات ہے کہ میرے خاوند نے مجھے خاص طور پر اس
میں جانے سے منع کیا ہے۔وہ بستر پر لیٹی کافی دیر
تک سوچتی رہی۔جب اس کی سمجھ میں
کچھ نہ آیا اور تجسس بھی بڑھ گیا تو
وہ اٹھی اور تہہ خانے کے
دروازے پر پہنچ گئی۔

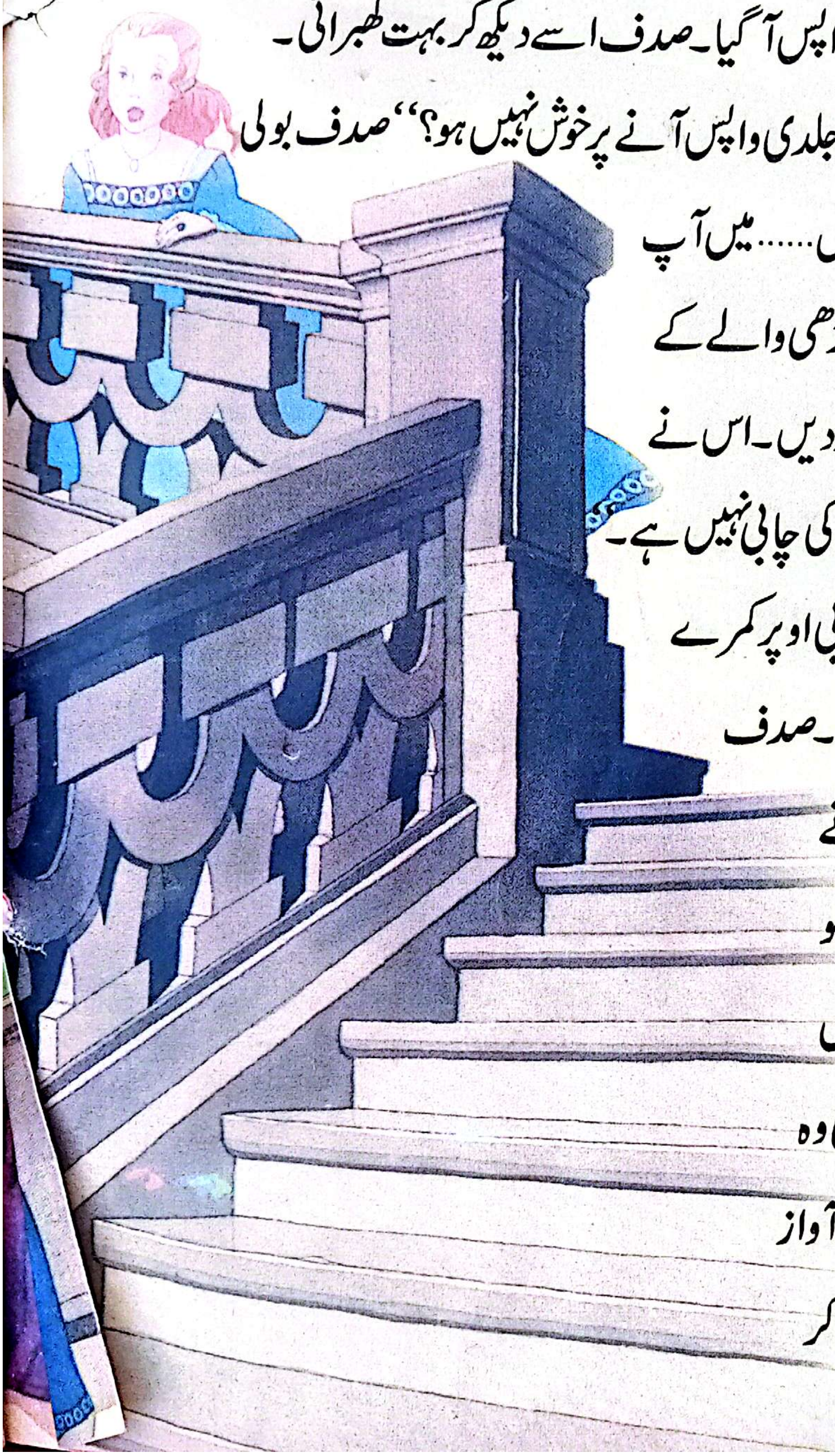


دروازے کے تالے کو چابی لگاتے ہوئے وہ ذرا ہچکچائی لیکن پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔

دروازے کے سامنے زینہ تھا۔ اندر ایک چھوٹا سا بلب روشن تھا۔ بلب کی مدھم روشنی میں صدف نے دیکھا کہ زینے پر خون کے چھینٹے پڑے تھے۔ صدف نے زینے پر قدم رکھے اور آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگی۔ زینہ اتر کر صدف نے دیکھا کہ ایک چھوٹے سے کمرے میں چھت کے ساتھ نیلی داڑھی والے کی پہلی چھ بیویوں کی لاشیں لٹک رہی تھیں۔ کمرے میں لٹکتی لاشیں دیکھ کر صدف خوفزدہ ہوگئی اور چابی اس کے ہاتھ سے فرش پر گر گئی۔ اس نے بڑی مشکل سے نیچے جھک کر چابی اٹھائی اور وہاں سے بھاگ کر باہر آ گئی۔

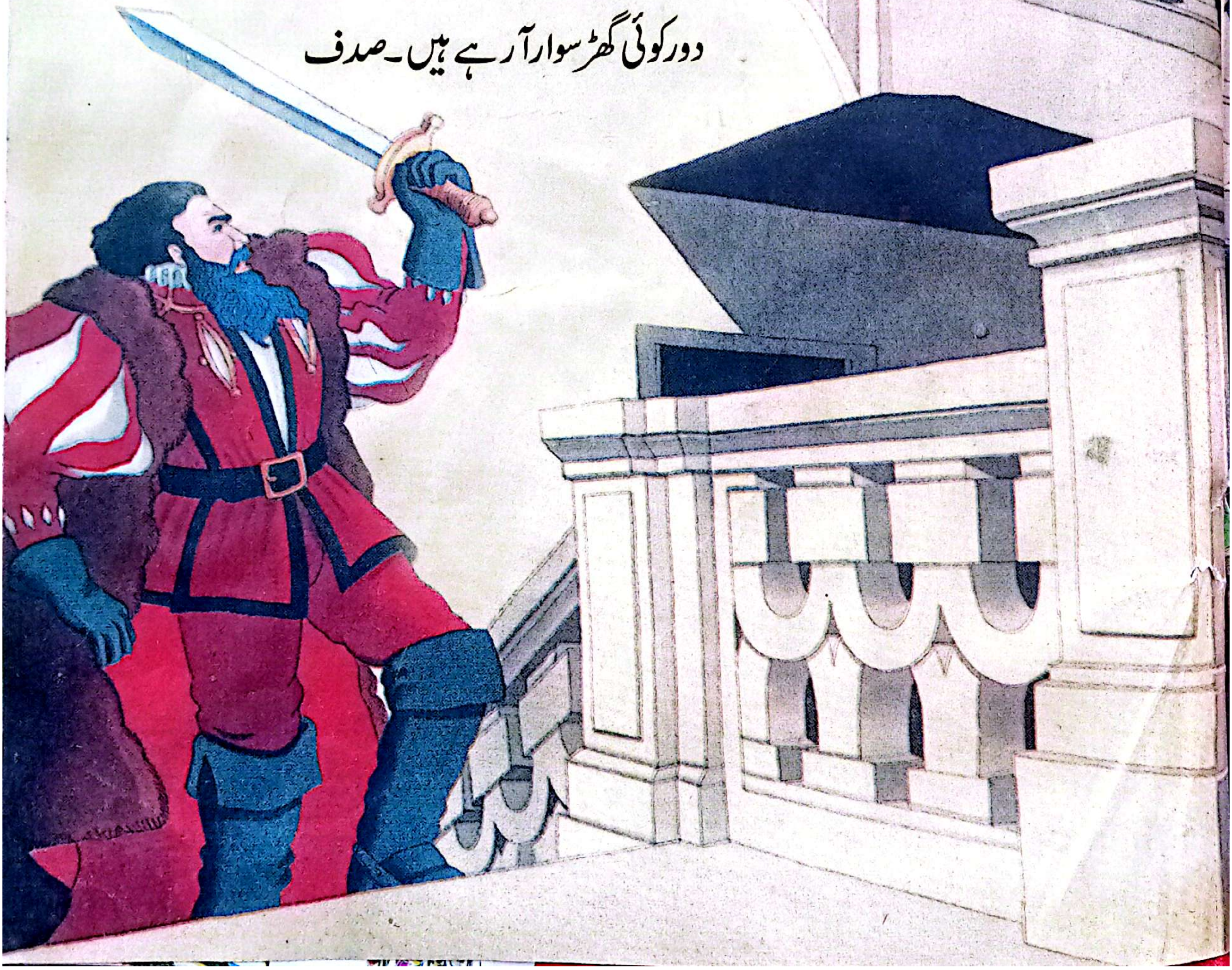


س نے تہہ خانے کا دروازہ بند کر دیا۔ صبح سویرے صدف نے اپنے بھائیوں کو اس واقعہ کی اطلاع بھجوا دی۔
صدف نے دیکھا چابی پر خون کا داغ لگ گیا تھا۔ اس نے کپڑے سے رگڑ رگڑ کر اسے صاف کرنے کی کوشش
کی لیکن خون کا وہ داغ کسی طرح ختم نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے یہ چابی باقی چابیوں سے الگ کی اور اوپر کی
منزل پر ایک کمرے میں رکھ دی۔



دوسرے دن اچانک نیلی داڑھی والا واپس آ گیا۔ صدف اسے دیکھ کر بہت گھبرائی۔
اس نے پوچھا ''صدف کیا بات ہے تم میرے جلدی واپس آنے پر خوش نہیں ہو؟'' صدف بولی
''نہیں ایسی کوئی بات نہیں...... آپ آرام کریں...... میں آپ
کے لئے کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔'' نیلی داڑھی والے کے
مانگنے پر صدف نے چابیاں اس کے حوالے کر دیں۔ اس نے
چابیوں کو دیکھتے ہوئے کہا ''ان میں تہہ خانے کی چابی نہیں ہے۔
صدف نے اسے جواب دیا کہ شاید میں وہ چابی اوپر کمرے
میں بھول آئی ہوں۔ ابھی جا کر لے آتی ہوں۔ صدف
اوپر کمرے میں آئی تو بہت پریشان تھی اس نے
سوچا خون کے داغ کی وجہ سے اس کے خاوند کو
پتہ لگ جائے گا کہ وہ تہہ خانے کے کمرے میں
گئی تھی۔ اور اس پر وہ بہت ناراض ہو گا۔ ابھی وہ
اسی سوچ میں تھی کہ نیچے سے اس کے خاوند کی آواز
آئی ''صدف جلدی نیچے آؤ...... اتنی دیر کیوں کر

رہی ہو...... مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تم نے میری غیر موجودگی میں تہہ خانے کا دروازہ کھولا تھا۔'' اب تو صدف بہت زیادہ گھبرائی اس نے اپنی بہن کو آواز دی اور کہا دیکھو شہر کی طرف سے کوئی آ رہا ہے۔
اس نے کہا نہیں ادھر تو کوئی نہیں ہے۔
نیلی داڑھی والے نے پھر گرج دار آواز میں صدف کو نیچے آنے کے لئے کہا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی بہن کو کہا کہ وہ دیکھے شہر سے آنے والے راستے پر کوئی آ رہا ہے یا نہیں۔ صدف کی بہن نے اس مرتبہ بتایا کہ دور کوئی گھڑ سوار آ رہے ہیں۔ صدف



یہ سن کر سیڑھیاں اترنے لگی۔ اس نے دیکھا کہ نیلی داڑھی والا بہت غصے میں تلوار لئے کھڑا تھا۔ صدف ڈرتے ڈرتے نیچے آئی تو وہ بولا "تمہیں جرات کیسے ہوئی کہ میرے منع کرنے کے باوجود تم تہہ خانے میں گئیں۔ اب سزا کے لئے تیار ہو جاؤ...... میں تمہیں بھی مار کر ان لاشوں کے ساتھ لٹکا دوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے وار کرنے کے لئے تلوار والا ہاتھ فضاء میں بلند کیا ہی تھا کہ ایک زوردار آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور دو نوجوانوں نے نیلی داڑھی والے کو دبوچ کر قتل کر دیا۔ صدف نے آگے بڑھ کر اپنے بھائیوں کا شکریہ ادا کیا۔ اب وہ نیلی داڑھی والے کی ساری جائداد کی وارث بن گئی اور لوگوں کو نیلی داڑھی والے کے ظلم سے نجات مل گئی تھی۔

